تحقیقِ قربانی

* مسئلہ قربانی کے ہر پہلو پر تحقیقی و تنقیدی مطالعہ
* اہل فہم و فکر کے لئے نیا سرمایۂ علمی
* قربانی کے موضوع پر پہلی جامع اور معیاری کتاب

قاضی عبد النبی کوکب

ناشر: مکتبہ ابناء الاسلام ۱۹۔ چیمبرلین روڈ۔ لاہور

قیمت مجلد ۲/۱/-

الماخذ

(وہ کتب جن کے حوالے اس کتاب میں آئے ہیں)

- القرآن الحکیم
- روح المعانی آلوسی
- تفسیر سہل تستری وفات ۲۸۳ھ
- تفسیر امام واحدی وفات ۳۶۸ھ
- تفسیر "مراح اللبید"
- نبہتی وفات ۱۸۸۸ء
- احکام القرآن: قاضی ابوبکر اندلسی مالکی (۴۶۸ھ سے ۵۴۲)
- جامع لاحکام القرآن امام قرطبی (۵۵۶ھ سے ۶۱۱)
- فتح القدیر" تفسیر امام محمد بن علی شوکانی (۱۱۷۳ھ سے ۱۲۵۰)
- تفسیر کبیر امام رازی
- تورات (عہد نامہ قدیم)
- المؤطا امام مالک (۹۵ھ سے ۱۷۹)
- کتاب الام للشافعی (۱۵۰ھ سے ۲۰۴)
- مسند امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ سے ۲۴۱)
- صحیح البخاری
- مسلم
- کتاب اختلاف الحدیث للشافعی
- نسائی
- ابوداؤد
- ابن ماجہ
- ترمذی
- شرح معانی الآثار للطحاوی
- سنن بیہقی
- ابن مردویہ
- ابن ابی حاتم
- دارقطنی
- طبرانی
- المستدرک حاکم
- محلی شرح موطا
- مسوی المصفیٰ شاہ ولی اللہ
- مشکوٰۃ المصابیح امام ولی الدین

- کواکب الدری: کرمانی شرح بخاری
- "ہدایہ" علی بن ابی بکر مرغینانی وفات ۵۹۳ھ
- "الفقہ علی المذاہب الاربعہ"
- "فتح القدیر" شرح ہدایہ: کمال الدین ابن ہمام وفات ۸۶۱ھ
- "عینی": البنایہ فی شرح الہدایہ، ابو محمد محمود بن احمد عینی
- فتاوی شامی
- فتاوی عالمگیری
- البدائع والصنائع
- بدایۃ المجتہد ابن رشد
- "لسان العرب"
- المصباح المنیر للمقری
- "البستان" عبداللہ لبنانی
- تاج العروس شرح قاموس
- منجد

دیگر وہ کتب جن سے مؤلف مستفید ہوا

- تفسیر جوہری طنطاوی
- غریب القرآن فی لغت القرآن
- القرآن یفسر ہ العلوم والفرقان بیہ علی فکری مصر
- تفسیر ابی السعود
- فتوحات مکیہ شیخ ابن عربی
- غنیہ الطالبین سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلی
- فتاوی قاضی خان
- تکملہ فتح القدیر" ہدایہ شمس الدین احمد قاضی زادہ وفات ۹۸۸ھ
- "الرای الصحیح فی من ہو الذبیح" حمید الدین فراہی
- "الاعلام" زرکلی
- طبقات الشافعیہ
- سیرت ائمہ اربعہ
- "خانہ کعبہ" سید احمد خان
- "معاشیات" محمد اسلم ایم۔ اے
- شرح العنایہ علی الہدایہ امام اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی وفات ۷۸۶ھ

فہرست مضامین

چند دیگر اہم عنوانات (جو اوپر درج نہیں ہوسکے)

❖

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ جَمِیْلِ الشِّیَمِ ۔ قَائِدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ الَّذِیْنَ بَذَلُوْا مُھَجَھُمْ لِقِیَامِ دِیْنِہٖ الْقَیِّمِ ۔ فَھُمْ کَانُوْا خَیْرَ اُمَّۃٍ مِنْ جَمِیْعِ الْاُمَمِ ۔

مُصنّف کی طرف سے!

اس کتاب کی ترتیب میں تین بنیادی نکتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے: (۱) کیا اسلام نے قربانی کو ضروری قرار دیا ہے اور کیا کتاب و سنت سے قربانی کا "ضروری ہونا" واضح طور پر ثابت ہے؟ (۲) "کتاب و سنت" اور شرعی مآخذ کی گفتگو کے بعد، یہ خلش باقی رہتی ہے کہ آخر "قربانی میں وہ کون سی اہم حکمت پائی جاتی ہے کہ اسے شریعت اسلامیہ" میں اتنی اہمیت حاصل ہے لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ آیا قرآن و حدیث سے قربانی کی حکمتوں کی طرف کوئی رہنمائی ملتی ہے؟ اور اگر ملتی ہے تو وہ کیا ہے؟ (۳) علاوہ ازیں، عام اذہان میں مادی نکتۂ نظر سے بھی کچھ خدشات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً قربانی اور مویشیوں کی قلت کا سوال، اور اسی قبیل کی بعض دوسری بحثیں۔

آج ہمارے ہاں، قربانی کے متعلق جو کچھ کہا جا رہا ہے اس سے متاثر ہونے والے احباب کے ذہنوں میں، یہی تین استفسار پیدا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کتاب میں ان ہر سہ ابحاث پر تسلی بخش معلومات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور قارئین کی

سہولت کے لیے گفتگو کے انہی تین گوشوں کے مطابق کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے:

- پہلے حصے میں آپ کو قرآن حکیم، لغت عربی، احادیث اور فقہاء اربعہ کے مسالک کی رو سے قربانی کی حیثیت معلوم ہو گی۔
- دوسرے حصے میں ان دینی و ملی حکمتوں کا بیان ہو گا، جن کی بناء پر اسلام میں قربانی کو اس قدر اہمیت کی نظروں سے دیکھا گیا ہے۔
- اور تیسرا حصہ قربانی کے نظام پر معاشی نکتہ نظر سے روشنی ڈالے گا اس حصے میں قربانی سے متعلق بہت سے اعتراضات اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

اس لحاظ سے یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک محیط اور جامع کام کی حیثیت رکھتی ہے اور انشاء اللہ العزیز اپنے قارئین کو مسئلہ قربانی کے کسی پہلو میں بھی تشنہ نہ چھوڑے گی۔

میری دعا یہ ہے کہ رب کریم میری اس کوشش میں برکت ڈالے اور اسے "ملت اسلامیہ" کے لیے مفید بنائے۔ فقط

عبداللہ - کوکب نہ لبہالس

اپریل ۱۹۶۰ء

حیرت کیوں ہے؟

جو شخص اپنی قومی تاریخ اور اپنی ملت کے مخصوص مزاج سے آگاہ ہو۔ وہ اپنے قومی شعائر اور تاریخی یادگاروں کی حقیقت اور ان کے پس منظر کو سمجھ سکتا ہے لیکن جس فرد کو اپنی قومی تاریخ کے ابواب پڑھنے کا کبھی موقع ہی نہ ملا ہو۔ اور جو اپنی ملت کے ماضی اور اس کے فلسفہ تاریخ سے بالکل ہی ناواقف ہو۔ اس کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے ہر قومی شعار کی حکمت اور ہر تاریخی یادگار کی حقیقت و اہمیت کو سمجھ سکے۔ اُسے بہت سی چیزوں پر تردّد اور استعجاب پیدا ہوگا اور ضرور ہوگا۔

ایک ایسا مسلمان، جو ملت اسلامیہ کی برادری میں منسلک تو ہے، لیکن وہ اس ملت کے مزاج، خصوصیات اور روایات و شعائر سے قطعاً بے خبر ہے، اس راہ رَو کی مثال رکھتا ہے جس کے پاس سے ایک قافلہ گذرے اور وہ اُٹھے کہ فوراً اس چلتے ہوئے کارواں میں شریک سفر ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ شخص ملنے کو تو ان کاروانیوں کے ساتھ مل گیا ہے۔ لیکن چونکہ اُسے نہ ان مسافروں کی منزل کا علم ہے اور نہ ہی ان کے مقاصد سفر کا پتہ ہے۔ لہٰذا ان کاروانیوں کے وہ تمام طریقے اور اصول، جو اپنے مقاصد سفر کے پیش نظر ان میں جاری ہوں گے، اس اجنبی مسافر کے لیے نہایت حیران کن اور عقدۂ لاینحل ہوں گے۔

اب اس نئے راہی کی ذہنی تسکین کے لیے دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جس قافلے میں شریک ہوا ہے۔ اس کے کاروانیوں سے ان کی سمت سفر، مقصد سفر اور ان کے مخصوص طریقہ ہائے سفر کے بارے میں سب کچھ معلوم کرے اور ان مسافروں

کے عزائم اور تصورات سے پوری ہم آہنگی پیدا کر لے۔ ایسا کرنے پر اسے ان تمام باتوں میں حکمت اور بصیرت نظر آنے گی، جو اہل کاروان کا معمول بن چکی ہیں اور پھر یہ بھی طمانیت قلب کے ساتھ اس قافلے میں، اسی قافلے کی منزل کی طرف خراماں خراماں مصروف تگ و دو رہے گا۔

اور اگر وہ ان کاروانیوں کے مزاج اور ان مسافروں کے نکتۂ نظر سے واقفیت حاصل کرنے کی ہمت گوارا نہیں کرنا چاہتا تو پھر اس کی پریشانی کو ختم کرنے والی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس قافلے کا ساتھ یک قلم ترک کر دے۔ اور ان جانی منزلوں کی طرف چلنے والے رہرووں سے کھلم کھلا الگ تھلگ ہو کر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دے لیکن اگر وہ ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کو بھی اختیار نہیں کرتا، بلکہ وہ اس قافلے کے ساتھ چمٹا رہنا بھی چاہتا ہے اور ان کے عزائم سفر اور مقصد و منزل کے تصور کی آگہی حاصل کرنا بھی اپنی ہتک سمجھتا ہے تو پھر اس کی حیرت و استعجاب کے ختم ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ آج اسے ان مسافروں کی سمت سفر پر تعجب ہو گا اور یہ انھیں ایک دوسری جہت سفر کا مشورہ دے گا۔ کل اسے ان راہوں پر حیرانگی پیدا ہو گی جن پر وہ کاروانی چل رہے ہیں اور یہ ان کے لیے نئی راہیں تجویز کرے گا۔ پرسوں اسے ان کے کاروانی پرچم پر اعتراض ہو گا اور یہ ان کے پرچم کے لیے کوئی نیا نشان سوچنے لگے گا۔ مگر اس کے یہ سارے مشورے ان کاروانیوں کے لیے ہرگز قابل قبول نہ ہوں گے۔ جنھوں نے اپنے سفر کے تمام معمولات اپنی منزل اور اپنے مقاصد کی مناسبت سے اختیار کر رکھے ہوں گے لہٰذا یہ کشیدگی بڑھتی ہی بڑھتی چلی جائے گی۔

بالکل یہی کیفیت ان مسلمانوں کی ہے جنھیں آج مسئلہ قربانی یا اس جیسے دیگر اسلامی

شعائر و عبادات پر تحیّر و تعجب پیدا ہونے لگا ہے۔ درحقیقت ہماری اصل مصیبت یہ ہے کہ آج ہم اپنے دین کے راز سے بالکل بے خبر ہو بیٹھے ہیں۔

ہمارے ہاں، قربانی پر گفتگو چھڑنے کی ایک وجہ وہ انقلاب فکر بھی ہے جو اہلِ کتاب نے اختیار کیا ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ ان لوگوں نے قربانی کی یادگار کو اپنی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی چنانچہ حضرت اسحٰقؑ کے ذبیح اللہ ہونے پر، بڑے بڑے دلائل گھڑے گئے اور اس جنون میں کتب مقدسہ تک میں چیرہ دستی کی گئی۔ لیکن جب تاریخ کے ٹھوس شواہد نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اور انھیں یہ محسوس ہوا کہ وہ اسمٰعیلی سیرت میں سے قربانی کا باب نکال دینے میں کامیاب نہیں ہو سکے تو اب انہوں نے ایک دوسرا پہلو بدل لیا ہے اور وہ یہ کہ قربانی کی یادگار کی اہمیت ہی کو ختم کیا جائے تاکہ دنیا اس مسئلے کو نسیاً منسیا کر دے۔

چنانچہ ان کا نیا لٹریچر، خصوصاً انسائیکلوپیڈیا وغیرہ جس انداز سے قربانی پہ معلومات جمع کرتا ہے۔ اس سے، اس انقلاب فکر کی صاف غمازی ہو رہی ہے۔ چونکہ ہمارے ہاں بھی کئی اصحاب ایسے ہیں، جو مغربی ماخذ سے صرف خوشہ چینی کر لینا ہی تحقیق کا آخری شاہکار سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ان سائیکلوپیڈیاز کی صدائے بازگشت، ہمارے کانوں میں بھی گونجنے لگی ہے۔

ترکِ قربانی

اگر آج کے مسلمان، قربانی کو ترک کر کے اسے بالکل بھلا ڈالیں، تو مستقبل کے انسانوں کے لیے یہ ایک ریکارڈ ہوگا کہ فلاں دور کے مسلمانوں نے تاریخ میں پہلی بار اپنی ایک ایسی ملّی یادگار کو موقوف کر دیا تھا جسے وہ اپنے قومی وجود کی ابتداء

سے لیکر ہمیشہ ہی مناتے چلے آئے تھے اور جس کے اہتمام میں کبھی کبھی انہیں اپنی جانیں بھی قربان کرنا پڑ جایا کرتی تھیں[1]۔

پھر مستقبل کی قومیں یا تو ہمارے اسلاف کو نادان اور توہّم پرست کہیں گی۔ جو صدیوں تک اس یادگار کو مناتے رہے اور یا پھر ہم پر ہی صلوات بھیجی جائے گی۔ دین کی کسی عبادت میں انفرادی طور پر بعض مسلمانوں سے غفلت اور سستی کا واقع ہو جانا ایک الگ امر ہے لیکن اجتماعی طور پر مسلمانوں کا دین کی کسی حقیقت سے انکار کر جانا، ایک بالکل دوسری بات ہے۔ ظاہر ہے کہ پوری قوم کا شریعت کی ایک چھوٹی سی بات سے بھی منحرف ہو جانا دنیا کی قوموں کو اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ مسلمان بھی کھلم کھلا اپنے دین میں تحریف و تصرف کرتے ہیں اور ایسی کوئی مثال قائم ہو جانے کے بعد مستقبل کا کوئی مسلمان، اقوام عالم کو اسلام کی دعوت نہیں دے سکے گا۔ کیونکہ دنیا والے اُسے یہ کہہ کر خاموش کرادیں گے کہ حضرت! جن چیزوں کی طرف آج آپ ہمیں بُلا رہے ہیں کیا ضمانت ہے کہ کل تک، خود آپ ہی ان پر قائم نہ رہیں۔ کیونکہ آپ کا سابقہ ریکارڈ ہمارے سامنے ہے۔

اگر قربانی کو بالکل ترک نہ کیا جائے بلکہ اسے اپنی ذاتی سمجھ سے محدود کر دیا جائے تو بھی تقریباً قریب یہی مسئلہ کی صورت بن جاتی ہے اولاً اس لیے کہ جیسا ایک دفعہ اصول بن گیا کہ بندے اپنی صوابدید کے مطابق، قربانی یا شریعت کے کسی دوسرے امر میں اس حد تک دخل اندازی کر سکتے ہیں کہ عبادت کی حدود کو بڑھانا اور کم کرنا اپنے اختیار میں لایا جا سکتا ہے۔ تو کل کو اپنی ذاتی مرضی یا کسی قسم کے حالات کے پیش نظر ایک عبادت کو سرے

---

[1] یہ بات قبل تقسیم کی انڈیا کے مسلمانوں سے آج بھی پوچھی جا سکتی ہے۔

ختم کرنے کا مرحلہ بھی آکر رہے گا۔

اور حقیقت میں حد بندی یا سمیٹنا، اکثر اوقات کسی چیز کو ختم کرنے کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے۔

پھر اس امر کا کون ضامن ہے؟ کہ اس قسم کی حد بندیاں صرف ایک عبادت تک ہی محدود رکھی جائیں گی، اور دوسرے اسلامی ارکان، اس دست برد سے محفوظ رہیں گے۔ جب آندھی چلا کرتی ہے تو اس کے جھونکے غاروں اور سوراخوں میں بھی ضرور پہنچ جاتے ہیں۔

اس طرح قربانی کے جانور کی بجائے کچھ رقم خیرات کرنا بھی دراصل قربانی کو ختم کرنا ہی ثابت ہو گا۔ اوّل تو یہ ہو گا کہ آہستہ آہستہ یہ پیسے جمع کرانے، یا صدقہ کرنے کا سلسلہ بھی نرم ہوتے ہوتے ختم ہو کر ہی رہ جائے گا۔ اور اگر کسی جبر کے خطرے سے نئے مسلمانوں میں اس متبادل خیرات کو جاری رکھ بھی لیا۔ تو بھی اس قدر تو ظاہر ہے کہ قربانی بہ حیثیت اسمٰعیلی یادگار کے باقی نہ رہے گی۔ اور کسی قوم کا اپنی محبوب ملّی یادگاروں کو خود اپنے ہاتھوں سے مٹانا، ملّت کی تاریخ کے ساتھ دردناک مذاق کرنا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ یادگار خلوص و للہیت اور تقویٰ و طاعت کا ایک متوارث سرچشمہ ہو۔

الحاصل!

آج ہمارے اہل فکر کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ اسلام کے شعائر اور دینی یادگاروں کا صحیح تصور اور ان کی اصل حقیقت و اہمیت، مسلمانوں کے سامنے

رکھیں۔ تاکہ ہمارا قومی ذہن، مزید انتشار کا شکار نہ ہو۔ ان چند ابتدائی اور ضروری گذارشات کے بعد اب "مسئلہ قربانی" پر مفصل گفتگو شروع کی جاتی ہے!

حصہ اوّل

قربانی اور قرآن

نوٹ: قربانی اور متعلقات قربانی کا مضمون قرآن حکیم میں بقرہ، آل عمران، مائدہ، انعام، حج، صفٰت، فتح اور کوثر آٹھ سورتوں میں مذکور ہوا ہے جو تقریباً چالیس آیات میں پھیلا ہوا ہے۔ قرآن قربانی کے لئے یہ سات الفاظ استعمال کرتا ہے: ذِبح، نحر، قربان، نُسُک، مَنسَک، بُدن اور ھدی۔ قرآن میں قربانی کی حکمت اور اس کے فلسفے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز قربانی کے دیگر احکام و متعلقات بھی مذکور ہوئے ہیں قربانی کی حکمت کے بارے میں قرآن سے دو بنیادی نکتے یہ معلوم ہوتے ہیں:
۱۔ قربانی ملت ابراہیمی کا دینی نشان ہے۔ ۲۔ اس نشان میں عبرت و تذکر کے کئی پہلو مخفی ہیں جن کی بنا پر اسلام میں قربانی کو اتنی اہمیت حاصل ہے۔ (قربانی کی حکمت کا یہ مضمون آگے آئے گا) قربانی کے دیگر احکام و متعلقات

جو قرآن سے معلوم ہوتے ہیں، یہ ہیں: (۱) انسان کی بہت ابتدائی تاریخ میں قربانی کا پتہ ملتا ہے (۲) جو قربانی، اخلاص اور للہیّت سے پیش کی جائے وہ قبول ہوتی ہے (۳) ہر مومن اُمت پر، قربانی مقرر رہی ہے (۴) مشرکین نے قربانی کو مشرکانہ رنگ میں رنگ دیا (۵) بنی اسرائیل میں سوختنی[1] قربانی تھی (۶) اہل اسلام پر بھی قربانی مقرر کی گئی ہے (۷) قربانی کرنے والے کی نیت کیا ہونی چاہیے (۸) قربانی سے فوائد حاصل کرنے چاہئیں (۹) قربانی کی خاص اور عام دو قسمیں: حاجی کی قربانی یعنی 'ھدی' کے اقسام و احکام کا بیان اور ساتھ ہی عام قربانی کا ذکر بھی فرمایا ہے جسے لفظ 'نحر' اور 'نسک' سے تعبیر کیا ہے۔ پہلی نوع کے لیے مقام ذبح بیت اللہ مقرر کیا ہے۔ مگر دوسری نوع کے لیے مقام ذبح کی کوئی حد بندی نہیں کی، یعنی اسے عام رکھا ہے۔ یہ ان معلومات کا ایک اجمالی احاطہ ہے، جو قربانی کے متعلق قرآن حکیم سے حاصل ہوتی ہیں)

تفصیلی نظر

(الف) اب اس اجمالی خاکے کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ سورۂ مائدہ میں قربانی کے متعلق یہ آیت ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ	"اور (اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان لوگوں کو حضرت آدم کے دو بیٹوں کی بات، حق کے ساتھ سنائیے جبکہ دونوں

[1] قربانی کی اس نوع کا ذکر آل عمران: ۱۸۳ میں موجود ہے

الآخِرِ ط قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ط قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ (مائدہ : ۲۷)

نے قربانی پیش کی۔ سو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی۔ اس نے کہا: میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ وہ بولا: بے شک اللہ تو صرف اہل تقویٰ سے (قربانی) قبول فرماتا ہے۔

بعض لوگوں کی طرف سے اس آیت کے متعلق دو باتوں پر بحث کی جاتی ہے پہلی یہ کہ اس قربانی کو کس شکل میں ادا کیا گیا تھا؟ آیا؟ جانور ذبح کیے گئے تھے یا کوئی اور صورت تھی؟ اس میں اقوال متعدد ہیں۔ لیکن ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اتنی بات قرآن حکیم سے بالکل صاف معلوم ہو رہی ہے۔ کہ دونوں نے اللہ کے حضور میں اپنی اپنی قربانی پیش کی تھی خواہ اس کی صورت کیا تھی۔ دوسری بحث یہ اٹھائی جاتی ہے کہ مفسرین اس میں بھی اختلاف رکھتے ہیں کہ آیا یہ حضرت آدم کے حقیقی بیٹے تھے۔ یا بنی اسرائیل کے کوئی دو شخص تھے۔ جنہیں بنی آدم ہونے کی رُو سے آدم کے دو بیٹے کہہ دیا گیا ہے۔ لیکن یہاں اوّلاً تو خود ان آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ واقعہ انسان کی بہت ہی ابتدائی عمر کا ہے۔ حتیٰ کہ قاتل کو مقتول کی لاش چھپانے کا طریقہ تک معلوم نہ تھا:

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ○ (مائدہ ۵ ۳۱)

(قاتل) بولا، ہائے میری بدبختی، کیا میں اس کوّے کی طرح بھی نہ ہو سکا، کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا لیتا۔ پس وہ پشیمان ہوا

اور ثانیاً حضورؐ کا ایک فرمان جسے امام شوکانی نے بخاری مسلم اور دیگر کتب حدیث کے حوالے سے بیان کیا ہے اس آیت کی تفسیر میں ہماری مدد کرتا ہے:

وَقَدْ ثَبَتَ فِي الصَّحِيحَيْنِ وَغَيْرِهِمَا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ" (فتح القدیر شوکانی ج ۲ ص۳۱)

بخاری مسلم اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابن مسعودؓ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جب کبھی کوئی شخص ظلماً مارا جاتا ہے تو اس کے خون کا کچھ وبال اس پہلے ابن آدم پر بھی پڑتا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل رائج کیا۔"

گویا قرآن اور حدیث دونوں سے اس امر کو تصریح ملتی ہے کہ یہ واقعہ انسانوں کی نہایت ہی ابتدائے عمر کا ہے۔ لہذا اس آیت سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ اس قدیم زمانے میں حضرت آدم کی شریعت میں بھی قربانی موجود تھی۔ اور دوسری چیز یہ کہ قرآن حکیم نے اس قربانی کو مذمت یا تنقید کے رنگ میں بیان نہیں کیا۔ بلکہ رسول کریم سے خطاب فرمایا ہے کہ آپ یہ واقعہ پڑھ کر سنا دیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ انداز اپنے اندر رغبت دلانے کا پہلو رکھتا ہے اور تیسری چیز یہ کہ اس آیت میں قربانی کے مقبول ہونے کے لئے اصول بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (مائدہ ۲۷)

بیشک اللہ صرف اہل تقویٰ سے (ہی) قبول فرماتا ہے۔

(ب) سورۂ انعام میں پہلے مشرکین کی قربانیوں اور چڑھاوؤں وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ جو معبودانِ باطل کے نام ادا کیے جاتے تھے اور ساتھ ہی ان کے جاہلانہ اور مشرکانہ عقائد و رسوم کی تردید و مذمت بھی کی ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

(انعام ۱۳۶)

اور (مشرکین) اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کا نکالتے ہیں۔ پس دعوی کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ (دوسرا حصہ) ہمارے شریکوں کے لئے ہے۔ پس ان کے شریکوں والا حصہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا مگر جو اللہ والا حصہ تھا وہ ان کے شریکوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ ان کے فیصلے کیا ہی برے ہیں۔

مذکورہ آیت سے ذرا آگے چل کر اسی مضمون کی مزید تفصیل ان آیات میں کر دی گئی ہے

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ وَقَالُوْا

اور (مشرکین) کہتے ہیں یہ مویشی اور یہ کھیتوں کی پیداوار (قربانی اور چڑھاوے) وہی کھا سکتے ہیں جن کو ہم کھلانا چاہیں۔ (یہ ان کے گمان ہیں اور ان کے نزدیک) کچھ مویشیوں کی سواری حرام ہے اور کچھ مویشیوں پر اللہ کا نام نہیں لیتے (یعنی غیر خدا کے

مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۗ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

(الانعام ۱۳۸، ۱۳۹)

نام پر قربانیاں کرتے ہیں) یہ اللہ پر ان کا بہتان ہے اللہ انہیں ان کی بہتان تراشی کی ضرور سزا دے گا اور کہتے ہیں کہ جو ان خاص مولیشیوں کے پیٹ میں ہے صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لئے حرام اور اگر وہ مردہ نکلے تو پھر سب اس میں اکھٹے ہو جاتے ہیں اللہ ان باتوں کی انہیں ضرور سزا دے گا بیشک وہ حکمت والا ہے جاننے والا ہے۔

ان آیات چھوڑ کر اگلی آیات میں پھر مشرکین کے انہی عقائد و اعمال کا ذکر کیا ہے جو مولیشیوں کے متعلق ان کے ہاں پائے جاتے تھے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

آٹھ زوج[1] (نر و مادہ) ہیں۔ دو بھیڑ میں سے اور دو بکری میں سے۔ ان سے پوچھیے، کیا اللہ نے دونوں کے نر حرام کئے ہیں یا مادہ اور یا کہ جو مادہ کے پیٹ میں ہے اگر تم سچے ہو تو مجھے علم (حق) کے ساتھ یہ بات بتلاؤ ۝ اور دو اونٹ میں سے اور دو گائے سے ان سے پوچھئے کیا اللہ نے ان کے نر حرام کئے ہیں کہ مادہ اور یا کہ جو مادہ کے

[1] عربی میں زوج کا لفظ نر اور مادہ دونوں میں سے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر بھی بولا جاتا ہے اور نر مادہ کے مجموعے یعنی جوڑے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ط اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (انعام ۱۴۳،۱۴۴)

پیٹ میں ہے۔ کیا تم گواہ تھے جب اللہ نے ان باتوں کی تمہیں وصیت کی تھی ؟ پس اُس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے۔ تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کرتا پھرے بیشک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا "

سورۂ انعام کے ان تین ٹکڑوں میں قرآن حکیم نے مولشیوں کی قربانی اور زمین کی پیداوار کے چڑھاوے کے متعلق، مشرکین عرب کی خود ساختہ رسموں اور ان رسموں کے پیچھے، کام کرنے والے اُن کے مشرکانہ خیالات و عقائد کا نقشہ پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ پہلے ٹکڑے یعنی آیت نمبر ۱۳۶ میں بتلایا ہے۔ کہ وہ لوگ جانوروں اور فصلوں میں سے، دو قسم کے حصے الگ کرتے تھے۔ جن میں سے ایک حصہ اللہ کے نام کا ہوتا تھا، اور دُوسرا بتوں کے نام کا۔ لیکن عملی طور پر یہ سب کچھ بتوں کو ہی جاتا تھا۔ کیونکہ جو حصہ بتوں کا تھا وہ تو بت خانوں میں جانا ہی تھا۔ مگر جو حصہ اللہ کے نام کا نکلتے وہ بھی بُت خانوں ہی میں پہنچایا جاتا۔ اس طرح وہاں کے پروہت یہ سب کچھ وصول کرتے اور اس خیرات و قربانی میں سے اصل مستحقین، یعنی ناداروں اور محتاجوں کو کچھ نہ ملتا۔ اس لئے قرآن نے کہا :

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا

پس جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا،

يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ ج وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ ط

وہ تو اللہ کی طرف نہ پہنچتا۔ مگر جو اللہ کا ہوتا، وہ شریکوں کی طرف پہنچ جاتا۔

گویا اندھے کی شیرینی والا چکر چل رہا تھا[له]۔ اس کے بعد دوسرے ٹکڑے یعنی آیت نمبر ۱۳۸ و ۱۳۹ میں فرمایا ہے کہ مشرکین کی قربانیوں اور چڑھاووں کی ایک قسم وہ تھی جس کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ اسے ایک خاص گروہ کھا سکتا ہے۔ مثلاً مویشیوں کے پیٹ کے بچوں کی قربانی کو، صرف مرد کھا سکتے تھے اور عورتوں کے لیے ان کا کھانا حرام خیال کیا جاتا تھا۔ اور یہاں خاصکر یہ بات بھی ظاہر کی ہے کہ وہ مویشیوں کی قربانی غیر خدا کے نام پر کرتے تھے۔

نوٹ: جو قربانیاں غیر خدا کے نام سے منسوب کی جاتی تھیں اور جن جانوروں کو تھانوں اور بت خانوں میں ذبح کیا جاتا تھا۔ اس کی مزید تشریح سورہ مائدہ میں کی گئی ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۞
(مائدہ ۱۰۳)

"اللہ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام (مشرکانہ قربانیوں) کو ہرگز مقرر نہیں کیا بلکہ کافر اللہ پہ جھوٹے بہتان باندھتے ہیں۔ اور ان میں سے بہت سے بے عقل ہیں۔"

اس آیت میں مشرکین کے تراشے ہوئے وہ نام بھی بیان کر دیے ہیں جو بتوں کی طرف منسوب کیے جانے والے جانوروں کے رکھے جاتے تھے اور مائدہ کی

له پنجابی میں مثل ہے" انّھا ونڈے شیرینیاں، مڑ مڑ گھر اپنے"

بندائی آیات میں بتوں اور تھانوں پر ذبح ہونے والی قربانیوں کا ذکر کیا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (مائدہ ۳)

تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور گلا گھٹ کر مرا ہوا اور چوٹ لگ کر مرا ہوا اور سینگ لگ کر مرا ہوا اور جسے درندے نے کھایا ہو مگر جسے تم ذبح کر لو۔ اور جو تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

اس آیت میں شریعت کی طرف سے حرام کردہ جانوروں کی تفصیل بتلاتے ہوئے نمبر ۴ اور نمبر ۱۰ پر ان جانوروں کو بھی شمار کیا ہے جو بتوں اور تھانوں پر قربان کیے جاتے تھے یعنی مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ "جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو" اور وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ "جو تھانوں پر قربان کیا جائے"۔

سورۂ مائدہ کی یہ آیات در اصل سورۂ انعام کے ان الفاظ کی تفصیل بیان کر رہی ہیں، جو اوپر آیت نمبر ۱۳۸ میں گذرے ہیں۔ یعنی

وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ط (انعام ۱۳۸)

اور کچھ جانوروں پر (ذبح اور قربانی کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے اور یہ اللہ پر ان مشرکین کا بہتان ہے۔

گویا یہاں صرف اتنی بات بتلائی ہے کہ مشرک بعض مویشیوں پر اللہ کا نام نہیں لیتے اور مائدہ میں یہ بتلا دیا ہے کہ اللہ کا نام نہیں لیتے بلکہ ان مویشیوں کو

بتوں کے نام پر بُت خانوں اور تھانوں کے سامنے میں قربان کرتے ہیں۔

اس کے بعد پھر سورہ انعام کے مضامین کی طرف لوٹیے۔ اب تیسرے ٹکڑے یعنی آیت نمبر ۱۴۳ اور ۱۴۴ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کبھی تو مویشیوں (بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے) میں سے نر کو حرام قرار دے لیتے اور کبھی مادہ کو، اور کبھی مادّہ کے پیٹ کے بچوں کو۔ اور ان کو حرام سمجھنے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کو بتوں کی طرف منسوب کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ مائدہ اور انعام کی دیگر آیات سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے۔

اس طرح ان آیات میں قرآن حکیم نے مشرکین کی ان تمام مشرکانہ تبدیلیوں کا ذکر فرما دیا ہے جو ان لوگوں نے قربانی کے طریقے میں اپنی طرف سے داخل کر رکھی تھیں اور ساتھ ہی ہر جگہ ان کی خود ساختہ رسموں اور عقیدوں کی مذمت اور تردید بھی کر دی ہے۔

اب یہاں ایک بات پر گہرا غور کرنا، ہماری گفتگو کے بہت سے اہم گوشوں کو بے نقاب کرے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے ان آیات میں اتنی مفصل گفتگو کے ساتھ مشرکین کی قربانی وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور ان کے افعال و خیالات پر تنقید کی ہے اور فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ پر بہت سے افترا اور بہتان باندھ رکھے ہیں لیکن اصل قربانی کے تصور پر تنقید نہیں کی ہے۔ دیکھیے قرآن پاک نے مشرکین کی مذمت کے لیے یہ جملے بولے ہیں۔

سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (انعام ۱۳۶)	ان کے فیصلے کیا ہی برے ہیں
سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ	اللہ انہیں ان کی بنائی ہوئی باتوں

(انعام ۱۳۹) | کی سزا دے گا۔"

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (انعام ۱۴۴) | پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، جو خدا پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے۔

ان الفاظ سے بالکل صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ گفتگو کسی ایسے مسئلے سے متعلق ہے جس کی اصل حقیقت کو تو قرآن تسلیم کرتا ہے مگر مشرکین وکفار نے اس میں جو خود ساختہ تبدیلیاں داخل کر رکھی ہیں ان کو تسلیم نہیں کرتا ـــــ یعنی قربانی کا نفس مسئلہ قرآن کے نزدیک قابل اعتراض نہیں بلکہ شرک اور جہالت نے اس پر وہم اور گمراہی کی جو تہیں چڑھا رکھی ہیں وہ قابل اعتراض ہیں۔ اگر نفس قربانی ہی قرآنی شریعت میں قابل اعتراض ہوتی تو قرآن حکیم صاف صاف اس کی ممانعت اور حرمت کا اعلان فرماتا۔ جیسا کہ شراب اور جوئے جیسی زمانہ جہالت کی یادگاروں کو واضح الفاظ میں حرام فرما دیا۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ قربانی قرآن کے نزدیک عہد جاہلیت کی ان چیزوں میں سے نہیں جن کو جہالت نے پیدا کیا تھا، بلکہ یہ ان مظلوم حقیقتوں میں سے ہے جن کی اصل نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھی مگر شرک وجہالت کے غبار نے ان کے حسین چہروں کو چھپا لیا ہوا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کی کتاب نے سورہ انعام کی مذکورہ آیات میں قربانی سے متعلق مشرکین کے ان جاہلانہ وکافرانہ تصورات واعمال کی نشاندہی کر دینے کے بعد آگے چل کر اس سورت کے خاتمے کے قریب مسئلے کے دوسرے رخ سے بھی نقاب سرکا دیا ہے۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ | اے نبی آپ اعلان کر دیجئے کہ مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھا رہی ہے

إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ○

(انعام ۱۶۱ تا ۱۶۳)

جو دین قیم ہے، حضرت ابراہیم کی ملت جو اللہ کے مخلص تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ آپ فرما دیجئے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری حیات و ممات اللہ ہی کے لیے ہے، جو جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا شریک کوئی نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا فرماں بردار ہوں۔

قربانی کے متعلق سورہ انعام کی ان جملہ آیات کو ملانے سے یہ بات خود بخود معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے نزدیک قربانی حضرت ابراہیم کی شریعت کا ایک اہم جزو تھی۔ مگر امتداد زمانہ اور غلبہ جاہلیت نے اس کی ابراہیمی حقیقت کو روپوش کر دیا تا آنکہ اللہ کا آخری رسول دنیا میں ملتِ ابراہیمی کو زندہ کرنے کے لیے تشریف لایا، تو آپ کو حکم ہوا کہ آپ نماز اور قربانی نیز دین حنیف کے پورے نظام کو اس کی اصل روح کے ساتھ دنیا میں پھر قائم فرمائیے۔

(قربانی اور ملت ابراہیمی کی مزید تشریح آئندہ بحثوں میں آئے گی۔)

نوٹ:- آیت إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي میں لفظ نسک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی صرف قربانی نہیں بلکہ اس لفظ کے کئی دیگر معانی بھی ثابت ہیں۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کیونکہ ائمہ تفسیر و لغت سے منقول ہے:

وَنُسُكِيْ اَیْ عِبَادَتِیْ مِنْ حَجِّیْ وَ قُرْبَانِیْ (تفسیر واحدی ص ۲۷)	اور "نسکی" یعنی میری عبادت حج اور قربانی کی قبیل سے ہے۔

بہرحال زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لفظ نسک کا ترجمہ عبادت حج اور قربانی تینوں میں سے کسی ایک معنی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے مگر ہمیں یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ جب قرآن کسی ایسے لفظ کو استعمال فرماتا ہے جس کے معانی ایک سے زائد ہوں تو وہ خود کلام کے گوشوں میں ایسے قرائن رکھ دیتا ہے جن سے ایک معنی کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے جو اس مقام پر مناسب ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت زیر بحث میں بھی نسک کے معنی کی تعیین کے لیے قرآن نے کافی واضح اشارات دیے ہیں۔ پہلی نہایت ہی صاف بات تو یہی ہے کہ اس سورت کی پچھلی آیات میں مضمون ہی قربانی کا چل رہا ہے۔ لہٰذا مضمون کا ربط قربانی کے علاوہ کسی دوسرے معنی کی اجازت نہیں دیتا۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ قرآن نے یہاں چار چیزیں علی الترتیب بیان کی ہیں - ۱- صلوٰۃ - ۲- نسک - ۳- زندگی اور - ۴- موت - اور اس ترتیب میں ایک لطیف حقیقت یہ جھلک رہی ہے کہ نمبر ۱ کو نمبر ۳ سے مناسبت ہے اور نمبر ۲ کو نمبر ۴ سے یعنی نماز کو زندگی سے ربط ہے اور قربانی کو موت سے۔ دیکھیے:

اِنَّ صَلٰوتِیْ (۱) وَ نُسُکِیْ (۲) وَ مَحْیَایَ (۳) وَ مَمَاتِیْ (۴) لِلّٰہِ	میری نماز (۱) اور میری قربانی (۲) میری زندگی (۳) اور میری موت (۴) اللہ ہی کے لیے ہے

کیونکہ نماز کی عبادت رکوع و سجود اور قیام و قعود یعنی زندگی کے حرکات و سکنات پر مشتمل ہے۔ لہٰذا نماز زندگی کی ترجمان ہے یعنی جس طرح میری نماز اللہ کے لیے ہے

اسی طرح میری زندگی بھی اسی کے لیے ہے اور قربانی کی عبادت خون بہانے اور ایک جان قربان کرنے پر مشتمل ہے۔ لہٰذا یہ موت کی ترجمان ہے یعنی جس طرح میری قربانی اللہ کے لیے ہے اسی طرح میری موت بھی اللہ کے لیے ہوگی

اب ظاہر ہے کہ ان چار الفاظ کی ترتیب کے اندر، ربط کا جو یہ عظیم منظر نظر آ رہا ہے وہ صرف اسی صورت میں ہے کہ نسک کے معنی قربانی کیے جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ نسک کے تین معانی میں سے قربانی کے معنی کو بڑے بڑے ائمہ تفسیر نے ترجیح دی ہے۔

وَنُسُكِيْ عَنْ قَتَادَةَ فِيْ قَوْلِهٖ تعٰ وَنُسُكِيْ قَالَ ضَحِيَّتِيْ

شوکانی ج ۲ ص ۱۷۶

اور نُسُکی: حضرت قتادہ رضؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے اللہ تعٰ کے فرمان نسکی کی تفسیر میں کہا ہے یعنی "میری قربانی"

اس کے ساتھ ہی شوکانی نے بتایا ہے کہ مسند عبد رزاق، ابن منذر اور ابن ابی حاتم میں بھی یہی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی تحقیق سے ثابت ہے کہ حضورؐ قربانی ذبح کرنے کے وقت یہی آیت پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا فَاطِمَةُ قُوْمِيْ فَاشْهَدِيْ اُضْحِيَتَكِ ...... ثُمَّ قُوْلِيْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ .... نا مُسْلِمِيْنَ ○

حضورؐ نے فرمایا: اے فاطمہ! اٹھو، اور اپنی قربانی کے پاس (ذبح کے وقت) موجود رہو۔ پھر یہ پڑھو: "بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری حیات و ممات اللہ کے لیے ہے۔ جو جہانوں کا

(تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۵۵ + تفسیر فتح القدیر ج ۲ ص ۱۷۶ + حاکم - ابن مردویہ بیہقی)	پالنہار ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (پوری آیت "مسلمین" تک)

معلوم ہوا کہ خود حضور نے بھی اس آیت کو قربانی کے حکم پر مشتمل مانا ہے۔ ورنہ آپ قربانی کے وقت اس آیت کے پڑھنے کا حکم صادر نہ فرماتے۔

"ھدی" اس لفظ کی قرآنی تحقیق ان آیات کے سمجھنے میں معاون ہوگی جنمیں قربانی کی بعض مخصوص صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ عربی زبان اور قرآن میں ھدی کا لفظ ان جانوروں کے لیے استعمال ہوا ہے جن کو حرم مکہ میں ذبح کرنے کے لیے خاص کیا گیا ہو۔ اس طرح ھدی کا لفظ قربانی کی ایک خاص نوع پر بولا جاتا ہے۔

الھدی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مَا یُھْدیٰ إلیٰ بَیْتِ اللّٰہِ مِن بدنۃ او غیرھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قال الشاعر حلفتُ بربِّ مکۃ والمصلّٰی واعناق الھدیّ مقلّداتٍ (قرطبی ج ۲ ص ۳۷۸)	ہدی وہ جانور ہے جسے بیت اللہ کی طرف روانہ کیا جائے۔ خواہ اونٹ ہو یا دیگر مویشی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاعر کہتا ہے "میں مکہ، مقام نماز اور ہار پہنائے ہوئے ھدی کے جانوروں کی گردنوں کی قسم کھاتا ہوں"

ہار صرف انہی جانوروں کو ڈالے جاتے تھے جو بیت اللہ کی طرف بھیجے جانے کے لیے مخصوص ہو چکے ہوتے تھے۔ معلوم ہوا کہ عربی ادب میں ھدی کا مذکورہ مفہوم مسلّم ہے۔ لغت کے علاوہ تمام ائمہ تفسیر اور جملہ فقہاء کرام بھی ھدی کا مفہوم یہی بیان کرتے ہیں اور خود قرآن حکیم سے بھی یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے دیکھیے سورۂ فتح میں ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ط (فتح ۲۵)

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اور ان جانوروں کو بھی روک دیا جو اپنے مقام پر پہنچنے کے لیے وقف تھے۔

سورہ مائدہ میں یہ محل (مقام ذبح) بتلا دیا ہے۔

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ (مائدہ ۹۵)

"ھدی کا جانور، کعبہ تک پہنچنے والا"

اسی طرح سورہ مائدہ میں دو جگہ یہ لفظ اسی مفہوم کے ساتھ مذکور ہوا ہے مائدہ ۹۷: میں اور مائدہ ۲: میں۔ اس کے بعد قرآن حکیم نے ھدی کی مختلف صورتیں اور قسمیں بیان فرمادی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ ھدی احصار: جس حاجی کو کسی رکاوٹ کے باعث راستے میں رکنا پڑ جائے وہ محصر (رکا ہوا) کہلاتا ہے۔ اس پر حرم کی طرف جانور بھیجنا ضروری ہوتا ہے۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ (بقرہ ۱۹۶)

پس اگر تم روک دیے جاؤ، تو جو ہدی میسر آئے بھیجو۔ اور اپنے سر نہ منڈھاؤ تاآنکہ ھدی اپنے مقام پر پہنچ جائے۔

۲۔ ھدی جنایت: احرام کی حالت میں اگر حاجی سے قانون حج کی کوئی خلاف ورزی ہو جائے تو اس کی بعض صورتوں میں جانور لازم آتا ہے۔ اسے ھدی جنایت کہتے ہیں۔ مثلاً اگر حالت احرام میں شکار کر لیا جائے تو اس کے بدلے کا

جانور ضروری ہوتا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (مائدہ ۹۵)	اے اہل ایمان! حالت احرام میں شکار مت کرو۔ اور جو جان کر ایسا کرے تو شکار کے مانند (جانور) جزاء ہے۔ جس کا فیصلہ تمہارے منصف کریں۔ یہ ھدی ہو گی، کعبہ کو جانے والی"

۳۔ ھدی تمتع : جو لوگ حج اور عمرہ ملا کر ادا کرتے ہیں۔ ان پر بھی جانور قربان کرنا لازم ہے۔ اس کا ذکر بقرہ میں ہے۔

فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ (بقرہ ۱۹۶)	جو شخص عمرے کو حج سے ملا کر ادا کرے، پس اس کے ذمے ھدی ہے جو اُسے میسر آئے۔

ان آیات سے دو باتیں معلوم ہو گئیں (۱) قرآن حکیم میں ھدی کا مفہوم یہی ہے کہ ھدی وہ جانور ہے، جسے حرم کعبہ کے لیے خاص کر دیا گیا ہو۔ (۲) قرآن نے ھدی کی قسمیں بھی بیان کر دی ہیں۔ یہ ساری وضاحت ذہن میں رکھنے کے بعد، اب ہمیں سورۂ حج کی آیات کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ اور دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم نے ان آیات میں قربانی کے کن کن پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ سورۂ حج میں یہ مضمون اس طرح شروع ہوتا ہے :

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ	اور جب ہم نے حضرت ابراہیم کے

الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْقَآئِمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ○

(حج ۲۶، ۲۷)

لیے خانہ کعبہ کو مرجع بنایا، کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا۔ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا ○ اور اے حضرت ابراہیم، لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجیے وہ پا پیادہ اور دور دور کی راہوں سے خستہ حال سواریوں پر آئیں گے

ان دو آیات میں مضمون حج کی تمہید ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کا والی بنایا گیا اور پھر ان سے حج بیت اللہ کے لیے اعلان عام کرایا گیا۔ اس کے بعد یہ فرمایا

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ○

(حج ۲۸)

تاکہ وہ یہاں، اپنے (دنیوی و دینی) فواید پائیں اور ان معلوم دنوں میں، ان جانوروں پر (انہیں قربان کرتے ہوئے) اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے ان کو عطا کر رکھے ہیں لیس ان میں سے خود بھی کھاؤ اور تکلیف زدہ فقرا کو بھی کھلاؤ

اس آیت میں حج کے فوائد کی طرف اشارہ ہے اور ویذکروا اسم اللہ کے الفاظ سے قربانی کا ذکر شروع ہو جاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہاں کونسی قربانی کا ذکر ہے آیا عام قربانی کا ذکر ہے یا قربانی کی اس خاص نوع کا، جس کی تشریح کیجیے ھدی

میں بیان ہوئی ہے اور اس امر پر اگلی آیت خود روشنی ڈالتی ہے دیکھیے، اس قربانی کے بعد یہ فرمایا:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ○ (حج ۲۹)	پھر اپنے بدن کی گندگی (میل اور بال وغیرہ) ختم کریں اور نذریں پوری کریں اور خانہ کعبہ کا طواف کریں۔

اب یہ مسئلہ قربانی سے فارغ ہونے کے بعد کا ہے یعنی جب قربانی کا جانور ذبح کر لیں تو ان کے لیے بال کٹوانے اور میل وغیرہ دور کرنے کی اجازت ہوگی۔ معلوم ہوا کہ سورۂ حج کی ان آیات میں حاجی کی قربانی کا ذکر ہے جو حج کے کاموں سے فارغ ہو کر آخر میں ذبح کی جاتی ہے اور اس کے ذبح ہونے سے پہلے، حاجی کے لیے سب پابندیاں ضروری ہوتی ہیں مثلاً سر کے بال نہیں منڈھوا سکتا وغیرہ۔ اور اسی قربانی کو قرآن نے سورۂ بقرہ میں هدی کہا ہے:

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ (البقرہ: ۱۹۶)	اور تم اپنے سر نہ منڈھواؤ، حتیٰ کہ ھدی اپنے مقام کو پہنچے

اس طرح خود قرآن سے رہنمائی ملتی ہے کہ سورہ حج کی ان آیات میں، قربانی کی صرف اسی نوع کا ذکر ہے۔ جسے ھدی کہا جاتا ہے۔ اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ ھدی کی تین قسموں میں سے یہ کونسی قسم ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ھدی تمتع مراد ہے۔ کیونکہ ھدی احصار رُکے ہوئے حاجیوں کے لیے ہوتی ہے اور یہاں ان کا کوئی ذکر نہیں اور اسی طرح

هدیِ جنایت، حج کا کوئی قانون توڑنے پر عائد ہوتی ہے اور اس کا بھی بیان کوئی تذکرہ نہیں۔ لہٰذا یہاں صرف ہدی تمتع ہی کا ذکر ہو سکتا ہے جو حج اور عمرہ ملا کر ادا کرنے والوں پر واجب ہوتی ہے۔ چونکہ حج اور عمرہ اکٹھا ادا کرنے میں ثواب و فضیلت زیادہ ہے اس لیے اکثر حاجی اسی طریقے کے مطابق احرام باندھتے ہیں اور پھر حج کے بعد "ہدی تمتع" کی قربانیاں (ہدی) ذبح کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم نے حج کے اسی عام اور کثیر طریقے کے پیش نظر، حج کے ساتھ ہدی کا مسئلہ بیان فرمادیا ہے کہ ہدی کا جانور ذبح ہو جانے کے بعد ہی حاجی اپنے بال وغیرہ کٹوا سکتا ہے اور احرام کی دیگر پابندیاں بھی ختم ہوتی ہیں۔

حج کی قربانی یعنی ہدی کا مسئلہ بیان فرمانے کے بعد پھر یہ آیت آتی ہے

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ

اور جو اللہ کی حرمت والی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے، سو وہ اس کے پروردگار کے ہاں اس کے لیے بہتر ہے اور تمہارے لیے مویشی حلال کیے گئے ہیں۔ ماسوا ان کے جو بیان کیے گئے پس بتوں کی آلودگی سے اور جھوٹی باتوں سے بچو۔ اللہ کی طرف مائل ہونے والے بن جاؤ۔ اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر

...بِہٖ الرِّیْحُ فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ ۝ (رحج: ۳۰، ۳۱)	پڑا۔ پھر اُسے پرندے اچک لے گئے یا ہوا اُسے اُڑا کر دُور کے مکان میں پھینک دے۔

ان تین اُمور بیان ہو گئے۔ پہلا یہ کہ حج بیت اللہ کے احترام کے، جو قوانین اللہ طرف سے مقرر ہیں۔ ان کی عظمت اور قدر کرنا، باعث خیر ہے۔ دوسرا امر مشرکین تردید میں ہے کہ سب مویشی حلال ہیں۔ اور جو حرام تھے ان کا بیان اپنی جگہ پر دیا گیا ہے۔ لہذا تم بتوں کی آلودگی (یعنی بتوں کے نام جانور منسوب کرنے اور قربانی کرنے) سے اور جھوٹی باتوں (مویشیوں کو بتوں سے منسوب کر کے یہ کہنا کہ اللہ نے ان میں حرام کیا ہے) سے پرہیز اختیار کرو اور تیسرے ٹکڑے میں شرک کی ہلاکت ...ی کا منظر بیان کیا ہے کیونکہ شرک ہی مذکورہ خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ آگے مذکورہ قربانی کی طرف گفتگو کا رخ موڑا ہے۔

...مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ۝ لَکُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّھَآ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ۝ (رحج: ۳۲، ۳۳)	اور جو کوئی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے تمہارے لیے ان میں ایک مقررہ وقت تک فائدے ہیں۔ پھر ان کا مقام خانہ کعبہ کی طرف ہے۔

یہاں شعائر اللہ سے مراد یہی قربانی کے جانور ہیں جن کا ذکر پچھلی آیات سے شروع ہوتا ہے اس طرح آیت نمبر ۳۲ میں دو باتیں ظاہر فرما دیں۔ ایک یہ کہ قربانی اللہ کے شعائر، یعنی توحید کی نشانیوں میں سے ہے اور دوسری یہ کہ اسے

عظمت و احترام کی نظر سے دیکھنا، دلی تقویٰ کا ترجمان ہے۔ آیت نمبر ۳۳ میں مذکورہ مسئلے کے لیے دو مسئلے بیان فرمائے ہیں۔ پہلا یہ کہ مویشیوں سے تم اس وقت تک فائدہ حاصل کر سکتے ہو۔ جب تک انہیں قربانی کے لیے معین نہ کر دیا ہو اور دوسرا مسئلہ یہ کہ ان قربانیوں کا مقام یعنی ان کے ذبح ہونے کی جگہ حرم کعبہ ہے۔

اور یہ بات قرآن حکیم سے معلوم ہو چکی ہے کہ یہاں حاجیوں کی قربانی کی اس نوع کا ذکر ہے جسے "ھدی تمتع" کہا جاتا ہے۔ لہذا یہ مسئلہ یعنی مقام ذبح کی بات قربانی کی صرف اسی نوع کے لیے ہے۔

اس آیت نمبر ۳۳ پر سرسری نظر ڈالنے سے آج بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ قرآن نے ہر قربانی کا مقام بیت اللہ مقرر کیا ہے۔ لہذا ہر جگہ سے قربانی کے جانور مکہ روانہ کرنے چاہییں۔

لیکن قرآن حکیم سے مسئلہ قربانی کے گہرے مطالعے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ قربانی کی متعدد انواع بنتا ہے۔ جن میں سے ایک نوع ھدی ہے۔ پھر اس ھدی کی تین صورتیں مذکور ہیں۔ ھدی احصار۔ ھدی جنایت۔ ھدی تمتع۔ اور ان میں سے فقط آخری صورت یعنی ھدی تمتع کا مسئلہ زیر گفتگو آیات میں بیان ہو رہا ہے۔ اس مفہوم کی رہنمائی در اصل آیت ۲۸ اور ۲۹ سے ہی ہو جاتی ہے۔ جہاں سے حج کا یہ مسئلہ شروع ہوا ہے کیونکہ وہاں صاف یہ بات مذکور ہے کہ حج کو آنے والے لوگ قربانی کریں۔ اور قربانی سے فارغ ہو کر، پھر میل اور گرد و غبار کو دور کریں، بال وغیرہ کٹوائیں اور جس قربانی کا یہ حکم ہو کہ اس پر حاجیوں کا بال وغیرہ منڈانا موقوف ہو وہ ھدی ہے دیکھیے بقرہ ۱۹۶۔ یہ ساری وضاحت ہمیں یہ بات سمجھا دیتی ہے

د حج کی مذکورہ آیات میں ھدی کی ایک خاص شکل کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور قرآن نے
اسی کے متعلق فرمایا ہے۔

مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝	پھر ان کا مقام خانہ کعبہ کی طرف ہے۔

اس حکم کو ھدی تمتع کی اس خاص قربانی سے ہٹا کر قربانی کی ہر صورت پر چسپاں
یا تو قرآن نافہمی کی بنا پر ہو سکتا ہے اور یا پھر ضد کی بنا پر۔
اس بات کے سمجھنے کے لیے ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قرآن نے قربانی کے
متعدد الفاظ استعمال کیے ہیں مثلاً ھدی، نحر اور نسک وغیرہ۔ ان میں سے
ی کا ذکر جہاں کیا ہے وہاں عموماً بیت اللہ کی قید ساتھ ہی رکھی ہے۔ لیکن دوسرے
اظ کے ساتھ یہ قید مذکور نہیں۔ اس سے قربانی کی دو نوعیں الگ الگ ثابت
تی ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ سورہ حج کی مذکورہ آیات میں ھدی کا ذکر ہو
رہا ہے یا کہ دوسری نوع کا۔ سورہ حج میں آیت ۲۸ سے قربانیوں کا ذکر شروع
ہوتا ہے۔

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۚ (حج ۲۸)	تاکہ وہ (یعنی حاجی لوگ) اپنے دینی و دنیوی فوائد کو پائیں اور ان معلوم دنوں میں اللہ کے دیے ہوئے مویشیوں پر اللہ کا نام لیں۔

یہاں سے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وہ قربانیاں ہیں جن کو حاجی ادا کرتے
ہیں اور حاجیوں کی قربانی کا ذکر قرآن نے سورہ بقرہ میں بھی کیا ہے۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ	اور تم اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ (بقرہ ۱۹۶)	کہ "پس اگر تم روک دیے جاؤ ہدی (قربانی) لازم ہوگی جو میسر آئے۔ اور اپنے سر نہ مونڈھو، تا آنکہ ہدی اپنے مقام پر پہنچے"

اس سے ذرا آگے پھر فرمایا :

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ (بقرہ ۱۹۶)	"سو جو شخص عمرے کو حج سے ملا ادا کرے اس کے لیے ہدی لازم ہے جو اسے میسر آسکے"۔

معلوم ہوا کہ حاجی کی قربانی کو، قرآن حکیم ہدی کہتا ہے۔ لہذا سورہ حج میں بھی ہدی ہی کا ذکر ہوا۔ پس ثابت یہ ہوا کہ سورہ حج میں بھی قرآن نے ہدی کے متعلق یہی قید ذکر کی ہے کہ اس کا مقام ذبح حرم ہے اور یہ بات واقعی قرآن کی ہر جگہ پر ثابت ہے۔ ہمارے تمام ائمہ فقہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہدی کا مقام ذبح مکہ ہی ہے۔

مگر اس سے یہ مطلب اخذ کرنا کہ مطلقاً ہر قربانی کا یہی حکم ہے کہ اسے حرم کعبہ کی طرف بھیجا جائے صریحاً غلط ہے کیونکہ قرآن یہ قید صرف ہدی کے لیے لگاتا ہے اور ہدی سے مراد صرف قربانی کی چند خاص صورتیں ہیں جن کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔ قربانی کے عمومی مفہوم کے لیے قرآن نے نسک، منسک اور نحر وغیرہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اور ان کے ساتھ مقام ذبح کی کوئی قید نہیں لگائی۔

یہاں تک آیت ۳۴ کے متعلق ضروری توضیحات بیان ہوئیں۔ اب سورۂ حج

آیت نمبر ۳۴ اور اس کے بعد کی آیات کا مضمون آتا ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۳۴ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۳۵ (حج ۳۴، ۳۴)	اور ہم نے ہر مومن گروہ کے لیے قربانی مقرر کی۔ تاکہ وہ اللہ کے عطا کردہ مویشیوں پہ اس کا نام ذکر کریں۔ سو تمہارا خدا وہ ایک ہی خدا ہے پس اس کے لیے گردن جھکا دو۔ اور ان فروتن بندوں کو خوشخبری سُناؤ کہ جن کے دل ذکر الٰہی پر خوف سے پُر ہو جاتے ہیں۔ اور جو آنے والی مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں نماز قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

آیت ۳۴ سے قربانی کے متعلق، قرآن حکیم نے یہ بتلایا ہے کہ قربانی پہلے بھی ہر مومن گروہ یعنی ہر شریعت میں مقرر کی گئی تھی۔ گو یا یہ فریضہ پہلی شریعتوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ البتہ اس آیت میں لفظ منسک کی تشریح پہ گفتگو ضروری ہے۔ کیونکہ بعض لوگ قربانی کے سوا، منسک کے کچھ اور معنی کرنا چاہتے ہیں گو یہ ٹھیک ہے کہ اس کے معنی میں حج، ذبح اور عید تینوں اقوال مروی ہیں۔ جیسے قاضی ابوبکرؒ نے کہا ہے:

منسکا حجا قالہ قتادہؓ و	منسک کے معنی حج ہیں یہ حضرت

وقیل ذبحاً قالہ مجاہدؒ و قیل عیداً قالہ الفراءؒ (احکام القرآن ابی بکر ج ۲ ص ۶۹)	قتادہ کا قول ہے اور ذبح یہ مجاہد کا قول ہے اور عید یہ فراء کا قول ہے۔

مگر تفسیر و لغت کے اکابر ائمہ نے یہاں ذبح، یعنی قربانی کے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ عید کے معنی کے لیے یہاں کوئی قرینہ موجود نہیں اور حج کا گو یہاں ذکر چل رہا ہے مگر اس سے زیادہ قریب ذکر، قربانی کا ہے۔ کیونکہ اسی آیت میں فرمایا ہے لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ تاکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں۔ لہذا یہاں قربانی کا معنیٰ ہی اقرب ہے۔ اگر حج کا معنی کیا جائے تو بھی قربانی کے حق میں مضمون وہی رہتا ہے کیونکہ ترجمہ یہ ہوگا:

"ہم نے ہر امت مومنہ کے لیے حج مقرر کیا، تاکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے مویشیوں پر اللہ کا نام لیں" یعنی قربانی کریں۔ تو اس معنی کی رو سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قربانی ہر امت پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر مفسرین یہاں قربانی کا معنیٰ ہی کرتے ہیں۔ دیکھئے:

۱۔ منسکاً ای ذبحاً للقرابین (واحدی ص ۵۵)	'منسک' یعنی قربانی ذبح کرنا۔

قرطبی میں ہے:

۲۔ منسکا ..... وَلِكُلِّ أُمَّةٍ مُؤْمِنَةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكاً و	اور ہم نے ہر مومن گروہ پر منسک مقرر کیا ہے اور منسک، ذبح کرنا

المنسک - الذبح واراقة الدم، قاله مجاهد يقال نسک اذا ذبح .... ومنه قوله تعالیٰ او صدقة اونسک

اور خون بہانا ہے۔ جیسا مجاہد نے کہا۔ اور عربی میں نسک ذبح کے معنی پر بولا جاتا ہے - اسی سے اللہ کا یہ فرمان ہے "یا صدقہ یا قربانی"

امام قرطبی نے یہاں 'قربانی کے معنی ثابت کرنے کے لیے سورہ بقرہ کی آیت سے بھی دلیل پیش کی ہے۔ پھر بعض لوگ یہاں ایک اور شبہ پیدا کرتے ہیں کہ منسک کے معنی قربانگاہ کے ہیں - لیکن عربی قواعد کی رُو سے اگر منسِک زیر سے ہو تو معنی قربانگاہ ہو سکتے ہیں - اور اگر سین کو زبر ہو تو پھر معنی قربانی کرنا اور ذبح کرنا ہی ہو سکتے ہیں - اور قرآن پاک میں یہ لفظ سین کی زبر سے ہی آیا ہے۔

۳ - منسکاً - ای قربانا یتقرب بہ الی اللہ وقرء الکوفیون منسِکا - بکسر السین ای مذبحاً وھو موضع ذبح القربان و قرء الباقون بالفتح وھو اراقة الدم لوجہ اللہ تعالیٰ وھو ذبح القرابین

مراح نووی ج ۲، ص ۴۵)

منسک' یعنی قربانی' جس کو خدا کے حضور بطور تقرب و عبادت پیش کرتے ہیں اور اہل کوفہ نے 'منسِکا' سین کی زیر سے پڑھا ہے، بمعنی مذبح - قربانی کے ذبح کرنے کی جگہ۔ اور باقی اہل علم نے سین کو فتح زبر پڑھی ہے - اور اب معنی ہوں گے 'اللہ کے لیے خون بہانا اور وہ قربانیوں کا ذبح کرنا ہے۔

علامہ شوکانی نے بھی بالکل صراحت کر دی ہے کہ یہاں منسک کے

معنی قربانی ہیں :

المنسک ھٰھنا المصدر، من نسک ینسک اذا ذبح القربان ...... والمعنی و جعلنا لکل اھل دین من الادیان ذبحاً یذبحونہ و دماً یریقونہ (فتح القدیر ج۳ ص۴۳۵)

منسک یہاں، نسک ینسک کا مصدر ہے۔ جس کے معنی ہے قربانی ذبح کرنا ...... اور آیت کا معنی یہ ہے، کہ ہم نے تمام اہل ادیان پر، قربانی مقرر کی، جو وہ ذبح کرتے تھے۔

نیز سورہ حج کی مذکورہ آیت کے بعد اگلی آیات میں بھی قربانی کا مضمون ہی جاری ہے دیکھئے آگے آیت ۳۶ اور آیت ۳۷۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۳۶ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا

اور قربانی کے جانور ہم نے تمہارے لیے شعائر الٰہی بنائے ہیں۔ تمہارے لیے ان میں فواید ہیں۔ پس قطار در قطار جانوروں پر اللہ کا نام ذکر کرو۔ پھر جب وہ پہلو کے بل گر یں تو ان سے کھاؤ اور سوالی اور محتاج کو کھلاؤ، اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے لیے مسخر کیا، کہ تم شکر گذار رہو۔ اللہ کے ہاں ان کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، لیکن اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۷	اسی طرح اس نے انہیں تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت بخشی۔ اور احسان کرنے والوں کو خوشخبری دو۔
حج : ۳۶ / ۳۷	

ان آیات میں فرمایا ہے کہ قربانی شعائر الٰہی میں داخل ہے اور ان الفاظ سے قربانی کی اہمیت اور اس کی حکمتوں کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ ہم اس مضمون کو بالتفصیل آیندہ فصلوں میں بیان کریں گے۔ یہاں دوسری چیز یہ بیان کی گئی ہے، کہ قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور امت سے فقراء و مستحقین تک بھی پہنچاؤ۔ یہاں قربانی سے فوائد حاصل کرنے کی تلقین کی ہے اس کی مزید وضاحت بھی کی جائے گی آیت نمبر ۳۷ میں یہ بتلایا ہے کہ قربانی سے اصل مقصود گوشت وغیرہ نہیں بلکہ اس نظام میں تقویٰ الٰہی کی جو روح مضمر ہے وہ اصل مقصد ہے۔ گویا یہ ہدایت فرما دی کہ قربانی ادا کرنے والوں کو قربانی کا صحیح تصور اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے اور نیتوں میں اخلاص و تقویٰ پیدا کرنا چاہیے۔ اس مضمون پر سورۂ حج میں قربانی کا بیان ختم ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد سورۂ کوثر کا مضمون بیان کیا جاتا ہے:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳	ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا۔ پس آپ اپنے رب کے لیے نماز اور قربانی ادا کریں بے شک آپ کا دشمن ہی بدانجام ہے۔
(کوثر پ ۳۰)	

اس سورہ مبارکہ میں قربانی کا حکم نہایت ہی واضح الفاظ میں موجود ہے اور نماز کے

سابقہ قربانی کا مذکور ہوا اس امر کے لیے بھی واضح ثبوت ہے کہ قربانی کا حکم اسلام میں عام ہے لیکن جو لوگ قربانی کے ثبوت سے دامن بچانا چاہتے ہیں وہ یہاں پہ دو اعتراض پیش کرتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اس سورت کو قربانی کے ثبوت کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ سورت مکی ہے اور حج و قربانی کے مسائل، مدینہ میں نازل ہوئے۔ دوسرا شبہ یہ لاتے ہیں کہ اس سورت میں لفظ 'نحر' استعمال ہوا ہے اور 'نحر' سے قربانی کے معنی مراد لینا محل غور ہے کیونکہ لغت اور تفسیر سے اس لفظ کے دوسرے معانی بھی ثابت ہیں۔ اب ہم ان ہر دو شبہات کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سورۂ کوثر مکی ہے یا مدنی ؟

سورت کے مکی یا مدنی ہونے کے متعلق ہم یہ عرض کریں گے کہ گو معروف قول[1] یہی ہے کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اکثر محققین نے اس کے مدنی ہونے پر اصرار کیا ہے مثلاً حضرت حسن، حضرت مجاہد، عطاء اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اس کے بعد علامہ سیوطی و نووی نے فریقین کے دلائل سامنے رکھتے ہوئے مدنی ہونے کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ علامہ آلوسی نے یہ ساری بحث وضاحت سے لکھ دی ہے :

مدنیۃ فی قول الحسن، وعکرمۃ وقتادہ، ومجاھد، وفی الاتقان انہ الصواب، ورجحہ النووی علیہ الرحمۃ فی شرح صحیح	حضرت حسن، عکرمہ، قتادہ اور مجاہد کے قول کے مطابق مدنی ہے۔ اتقان[2] میں ہے کہ یہی درست ہے اور امام نووی رحمہ نے بھی شرح مسلم میں اسی

[1] یہ قول حضرت ابن عباس کلبی اور مقاتل سے منقول ہے [2] تفسیر اتقان، جلال الدین سیوطی رح

مسلم (روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۴۴) مسلک کو ترجیح دی ہے۔

علامہ شوکانی بھی فتح القدیر میں اس مسلک کا ذکر کرتے ہیں :

مدنیۃ فی قول حسن وعکرمۃ ومجاھد وقتادۃ"	حضرت حسن، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کے قول میں مدنی ہے۔

(فتح القدیر شوکانی ج ۵ ص ۴۸۹)

دراصل اس مسلک کے قائلین کے سامنے دو مستند دلیلیں ہیں، جن سے سورہ کوثر کا مدنی ہونا ثابت ہوتا ہے ان میں سے پہلی دلیل یہ ہے :

عن انس بن مالک قال اغفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اغفاءۃ فرفع راسہ متبسماً، فقال انہ انزل علیّ آنفاً سورۃ فقرأ ۔۔۔۔۔۔ (روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۴۴)	حضرت انس بن مالک سے ہے انھوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے ذرا سر کو جھکایا، اور پھر سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مجھ پر اس وقت ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ سورہ کوثر کی تلاوت فرمائی۔

روح المعانی میں اس حدیث کے ماخذ یہ بیان کیے گئے ہیں۔ مسند امام احمد مسلم ۔ ابوداؤد۔ نسائی ۔ بیہقی ۔ علاوہ ازیں امام شوکانی بھی اس حدیث کو نقل کرتے ہیں۔ دیکھیے فتح القدیر ج ۵ ص ۴۸۹ ۔ اور انھوں نے حسب ذیل ماخذ شامل کیے ہیں : مسند ابن ابی شیبہ ۔ ابن المنذر ۔ ابوداؤد ۔ ابن مردویہ ۔ ابن جریر ۔ نسائی ۔ مسلم ۔ بیہقی ۔ مسند احمد حنبل

حدیث مذکور سورہ کوثر کے مدنی ہونے پر اس لیے دلیل ہے کہ حضرت انس

مدینہ کے انصار میں سے تھے اور آپ حضورؐ کی خدمت میں صرف اس وقت حاضر ہوئے جبکہ ہادی کونین صلی اللہ علیہ وسلم، مدینۃ الکریمہ میں تشریف لا چکے تھے۔ لہٰذا یہ ثابت معلوم ہوا کہ اوپر کا واقعہ، مدنی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ سورہ کوثر کا نزول اس وقت مانا گیا ہے جبکہ حضور کے دو صاحبزادے حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت ابراہیم کا وصال مدینۃ الکریمہ میں ہوا۔ دیکھیے سہل تستریؒ اور شوکانی دونوں لکھتے ہیں :

لما مات القاسم بمكة، ومات ابراهيم بالمدينة، قالت قريش: اصبح محمد صلى الله عليه وسلم ابتر، فغاظه ذلك فنزلت إنا أعطيناك

جب حضرت قاسم کا انتقال مکہ میں، اور حضرت ابراہیم کا مدینہ میں ہو گیا۔ تو قریش بولے : " محمد ابتر (منقطع النسل) ہو گئے (العیاذ) پس حضور کا دل اس سے رنجیدہ ہوا۔ چنانچہ سورۂ کوثر نازل ہوئی !"

(تفسیر تستری ص ۱۲۹ = فتح القدیر ج ۵ ص ۴۹۱)

(بہ حوالہ طبرانی و ابن مردویہ)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ سورۂ کوثر کو مدنی تسلیم کرنے کا مسلک بہت قوی ہے۔ تاہم چونکہ اس کے مکی ہونے کا قول بھی موجود ہے اس لیے ہم ان محققین کے فیصلے پر راضی ہیں۔ جن کی تحقیق یہ ہے کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی تھی۔ پہلی مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں۔

وذكر الخفاجي لبعضهم تاليفا

اور خفاجی نے بتلایا ہے کہ بعض اہل

صحح فیہ انہا نزلت مرتین
وجح فلا اشکال"

(روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۴۴)

علم کی کوئی تصنیف ہے جس میں یہ
صحیح ثابت کیا گیا ہے کہ یہ سورت
دو بار نازل ہوئی تھی اور اب کوئی الجھن
باقی نہیں رہتی"

مکہ میں یہ سورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو تسلی دینے کے لیے بطور پیش گوئی نازل ہوئی۔ اور مدینۃ الکریمہ میں اپنے اصل وقت پر بمعہ نفوذ احکام اتاری گئی۔ چنانچہ مدنی زندگی میں ہی قربانی کے تفصیلی احکام جاری ہوئے

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس سورت میں 'وانحر' کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں لہٰذا قربانی کے لیے اسے خاص سمجھنا ایک بے دلیل بات ہے۔ اس بحث کے تصفیے کے لیے پہلے وہ تمام اقوال درج کیے جاتے ہیں جو قربانی کے علاوہ، نحر کے دوسرے معانی پر دلالت کرتے ہیں:

- پہلا قول فراء نحوی کی طرف منسوب ہے کہ نحر سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنا سینہ قبلہ رخ کیجیے (یعنی نماز میں) اسے ابن ابی حاتم نے نقل کیا)
- دوسرا قول حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "جب یہ سورت نازل ہوئی، تو میں نے جبریلؑ سے پوچھا' یہ نحر کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ "یہ ذبح نہیں، بلکہ نماز میں' پہلی تکبیر' رکوع اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ (ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ وغیرہ)
- تیسرا جعفر سے منسوب ہے کہ اس کے معنی' تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانا ہیں۔ (ابن جریر)

- چوتھا حضرت علی کی طرف منسوب ہے کہ اس کا مفہوم 'بائیں کلائی پر، دایاں ہاتھ رکھنا' اور پھر انہیں سینے پر رکھ لینا ہے (دارقطنی و تاریخ بخاری)
- پانچواں، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دو سجدوں کے درمیان اتنا بیٹھو کہ تمہاری چھاتی نظر آئے۔
- چھٹا قول ضحاک وغیرہ سے منقول ہے کہ اس کے معنی نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ہے۔

یہ تمام اقوال علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں نقل کرنے کے بعد ان کے جواب میں کئی وجوہ بیان کی ہیں:

۱۔ اکثر محققین نے مذکورہ روایات کی صحت پر اعتماد نہیں کیا۔ ورنہ اکثر اہلِ علم قربانی کے معنی کی طرف رجحان نہ رکھتے۔

۲۔ ان روایات میں سے بعض کو ضعیف، بلکہ بعض کو بالکل موضوع شمار کیا گیا ہے۔ مثلاً دوسری روایت کے بارے میں علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ اسے ابن ابی حاتم اور حاکم نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس روایت کو بالکل بے اصل قرار دیا ہے۔ اور علامہ ابن جوزی نے صاف موضوعات میں شمار کیا ہے۔

وقال فيه ابن كثير انه حديث منكر جدا بل اخرجه ابن الجوزي في الموضوعات (روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۴۷)

علامہ ابن کثیرؒ نے اسے بالکل حدیث منکر قرار دیا ہے۔ اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں سے بیان کیا ہے۔"

نیز غور سے دیکھا جائے تو روایت سند کی کمزوری کے ساتھ ساتھ یہ روایات
اصولِ درایت کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتیں۔ مثلاً قول ۲ میں یہ بات، کہ
حضورؐ نحر کی تشریح جبریل سے دریافت کرتے ہیں کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔
کیونکہ جبریل امین صرف وحی کے پہنچانے والے ہیں۔ وہ وحی کے شارح یا مفسّر
نہیں ہیں۔ قرآن کی کئی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی کے فہم میں نبی، خدا کے
سوا کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بات شانِ نبوت کے خلاف ہے کہ وہ
وحی کے کسی مقام کی تشریح اس فرشتے سے دریافت کریں جو محض قاصد کی حیثیت
رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت کبھی حدیث صحیح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ علماء نے اس کا
موضوع ہونا ثابت کر دیا ہے۔ باقی روایات میں قریب قریب نماز میں ہاتھ اٹھانے
یا چھاتی قبلہ رُخ رکھنے اور یا سینے پر ہاتھ باندھنے کے معنی بیان ہوئے ہیں۔
اگر یہ تشریحات درست مانی جائیں تو سورۂ کوثر کا ترجمہ یوں ہوگا "ہم نے آپ کو
خیر کثیر عطا کی، پس آپ نماز پڑھیں اور ہاتھ اونچے اٹھائیں، یا چھاتی قبلہ کی
طرف رکھیں یا سینے پر ہاتھ باندھیں"۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی جزئی اور ضمنی چیزوں
کو قرآن اس انداز میں بیان نہیں کرتا۔ پھر یہ چیزیں نماز کے اہم ترین ارکان میں
سے بھی نہیں ہیں۔ کہ کہا جائے کہ نماز کے بعد اس کے ایک اہم رکن کا بیان کر
دیا گیا ہے۔

بہرکیف ایسے معانی کا مراد لینا عقل و درایت اور قرآنی انداز دونوں کے مخالف ہے

۳- تیسری وجہ ان معانی کے غیر معتبر ہونے کی یہ ہے کہ لفظ نحر کا ان معانی میں استعمال نہایت شاذو نادر ہے۔ اور اس کا اکثر استعمال ذبح اور قربانی کے معنی کے لیے ہوتا ہے۔

وترجح قول الاکثرین ۔۔۔۔ ان الاشہر استعمال النحر فی نحر الابل دون تلک المعانی (روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۳۷)	اور اکثر علماء کے مسلک کو یہ بات ترجیح دیتی ہے کہ "نحر" کا اکثر استعمال اونٹ ذبح کرنے کے معانی میں ہوتا ہے نہ کہ ان (مذکورہ بالا) معانی میں۔

اور قرآن حکیم کے الفاظ انہی معانی پر بولے گئے ہیں جو عربوں میں بلا تکلف اور بہ کثرت سمجھے جاتے تھے اسی لیے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قربانی اور ذبح کرنے کے معنی مراد لینے یہاں پر ضروری ہیں۔

ان استعمال لفظۃ النحر علی نحر البدن اشہر من استعمالہ فی سائر الوجوہ المذکورۃ فیجب	بے شک لفظ نحر کا استعمال قربانیاں ذبح کرنے کے معنی پر، مذکورہ تمام وجوہ سے زیادہ مشہور ہے لہٰذا اس معنی پر

حمل الکلام علیہ (کبیر ج ۸ ص ۵۰۳)	کلام کو محمول کرنا واجب ہے۔

پھر ان لوگوں کی طرف سے ایک بات یہ پیدا کی جاتی ہے کہ یہاں نحر کرنے کا حکم دیا ہے اور نحر کے معنی اونٹ کی قربانی کے ہیں۔ کیونکہ یہ لفظ اونٹ کے ذبح کرنے پر بولا جاتا ہے۔ امام رازی نے اس کا جواب یہ بیان فرمایا ہے!

ان الصلوۃ اعظم العبادات البدنیۃ فقرنت بھا اعظم انواع الضحایا (کبیر ج ۸ ص ۵۰۳)	چونکہ نماز بدنی عبادات میں سب سے عظیم عبادت ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ قربانی کی قسموں میں سب سے عظیم قربانی کو مذکور کیا'

چونکہ سورۂ کوثر میں کلام کا ماحول یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو عظیم کثرتیں عطا فرمائی ہیں۔ لہٰذا آپ ذکر نعمت اور شکر نعمت کے نظام پر کاربند رہیں۔ اس لیے یہاں دو ایسی عبادات کا ذکر کر دیا جو اپنی اپنی نوع میں اعلیٰ درجے پر متصور ہوتی ہیں۔ اور اونٹ کی قربانی عربوں میں قربانی کی اعلیٰ صورت سمجھی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اسے سخاوت اور دریادلی کی نشانی قرار دیتے تھے پس اس مناسبت کی بنا پر نحر کا لفظ بولا گیا ہے۔ کہ جب اللہ کا عظیم فضل و کرم آپ کے شامل حال ہے۔ تو آپ بھی شکر نعمت خوب ادا کریں۔ اب اس کا مطلب یہ نکال لینا کہ قربانی سے مراد ہی صرف اونٹ کی قربانی ہے محض ایک ضد ہے۔ آخر قرآن نے قربانی کے لیے' دوسری آیات میں دوسرے الفاظ بھی تو استعمال[1] فرمائے ہیں۔

[1] قرآن میں قربانی کیلئے نحر کے سوا یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: نسک' ھدی' قربان' منسک' بدن' ذبح

کیا قربانی مکہ کے ساتھ خاص ہے ؟

گذشتہ سطور میں قربانی سے متعلق، قرآن حکیم کی آیات کی تشریح میں اس مسئلے پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے تاہم اس فصل کے خاتمے پر اس سوال کی طرف پھر توجہ کی جاتی ہے۔ جن لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے ان کے سامنے صرف دو چیزیں ہیں :

لیکن ان ہر دو مقامات پر انہیں غلطی ایک ہی بنا پر لگی ہے۔ اور وہ بنا هدی اور عام قربانی کے احکام میں خلط ملط کرنا، اور ان کا باہمی فرق نہ سمجھنا ہے۔ ھدی کی تشریح خود قرآن میں موجود ہے، اور گذشتہ سطور میں بیان ہو چکی ہے۔ اب سورۂ حج کی آیت ۳۳ کا صحیح مفہوم سمجھنا ھدی کے سمجھنے پر موقوف ہے کیونکہ خود قرآن حکیم سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اس آیت میں صرف ھدی کا ذکر ہے، لہذا کعبہ کی قید صرف ھدی کے لئے ہے :

(یہ مفصل بحث آیات قرآنی کی روشنی میں پیچھے گذر چکی ہے) —

• اسی طرح جو جانور حضورؐ نے مکہ روانہ فرمائے تھے۔ وہ بھی ہدی کے جانور تھے۔ اس چیز کی صراحت متعدد احادیث میں موجود ہے اور ان جانوروں کو لفظ ھدی سے کئی روایات میں تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں صرف ایک عبارت پیش کی جاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی فرماتی ہیں :	عن عائشۃ رض قالت فتلت

فتلائد بدنت النبی صلی اللہ علیہ وسلّم .... واھدٰاھما (مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، بخاری ج ۱ ص ۲۳۰)	"میں نے حضور کے جانوروں کے لیے قلادے (ہار) تیار کیے اور آپ نے ان جانوروں کو ھدی کی حیثیت میں روانہ کیا۔

اور یہ انہی جانوروں کے متعلق ہے جنہیں حضورؐ نے مکہ روانہ فرمایا تھا معلوم ہوا کہ یہ جانور ھدی کے تھے نہ کہ عام قربانی کے۔ حدیث میں جہاں عیدالاضحی کی قربانی کا ذکر آتا ہے۔ وہاں لفظ ھدی نہیں ہوتا بلکہ "ضحیۃ" (قربانی) کا لفظ آتا ہے اور ساتھ ہی صراحت ہوتی ہے کہ یہ قربانی حضورؐ مدینہ میں ہی ذبح فرماتے تھے۔ دیکھیے :

ضحّٰی بالمدینۃ کبشین املحین اقرنین (بخاری ج ۱ ص ۱۳۱)	حضور نے مدینہ میں دو مینڈھے، سفید رنگ کے، سالم سینگوں والے قربانی کئے۔

اور اس مضمون کی بے شمار احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ سورہ حج کی آیت مذکورہ اور جانوروں کے بھیجنے والے واقعہ مذکورہ دونوں مقامات پہ صرف ھدی کا ذکر ہے اور قربانی کی اس نوع کو مکّہ ہی بھیجا جاتا ہے۔

قرآن حکیم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کو دو الگ الگ سیاق و سباق (اگلی اور پچھلی عبارت) میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ حج اور بقرہ کی بعض آیات[1] میں جہاں قربانی کا ذکر آیا ہے وہاں سیاق و سباق حج اور مسائل حج کا ہے اور

---

[1] یہ تمام آیات پیچھے گذر چکی ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر مقامات پر، قربانی کو نماز کے سیاق و سباق میں ذکر کیا گیا ہے دیکھیے[1]:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي ..... (انعام ۱۶۲)	فرما دیجیے، بے شک میری نماز اور میری قربانی۔

اور سورۂ کوثر میں:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (کوثر: ۲)	پس اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔

قرآن کے اس انداز سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ یہ دونوں سیاق و سباق الگ الگ نوعیت کے ہیں لہذا قربانی بھی دو نوعیت کی ہے۔ جو قربانی، حج کے سیاق سباق میں مذکور ہے اس کا تعلق حاجی اور حج کے ساتھ ہے اور اس کے لیے مکانی خصوصیت یعنی مقام ذبح کی پابندی ضروری ہے۔ مگر جو قربانی، نماز کے سیاق میں بیان ہوئی ہے۔ وہ عام قربانی ہے اور اس کے لیے قرآن حکیم نے، مقام ذبح کی کوئی قید نہیں لگائی۔

خود جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے قرآن حکیم کے مذکورہ مقامات کا یہی مفہوم سمجھا تھا۔ چنانچہ ان حضرات سے قربانی کی ہر دو نوع پر عمل کرنا ثابت ہے یعنی جب حضورؐ اور صحابہ حج پر ہوتے تو مکہ میں قربانیاں ذبح کرتے اور جب حج کے سفر پر نہ ہوتے بلکہ مدینہ میں یا کسی اور مقام پر ہوتے تو وہیں قربانی ذبح کرتے اور یہ قربانی کی عمومی شکل تھی۔

---

[1] مکمل آیات، بمع ترجمہ و تشریح پیچھے بیان ہو چکی ہیں۔

نیز قربانی کی ان دونوں شکلوں کے لیے عربی زبان میں مستقل دو لفظ موجود ہیں۔ پہلی خاص نوع کے لیے ھدی کا لفظ ہے اور دوسری عام قربانی کے لیے "ضحیۃ" کا لفظ ہے (اس کی مفصل تشریح "قربانی اور عربی لغت" کی فصل میں دیکھیں)

پھر اگر قربانی صرف حاجی کے لیے اور صرف بیت اللہ کے ساتھ خاص ہوتی تو اس کا ذکر قرآن میں طواف کی طرح صرف حج کے ساتھ اور بیت اللہ کے ساتھ ہی ہوتا۔ لیکن قرآن نے قربانی کو مسائل حج اور ذکر بیت اللہ کے ساتھ بھی رکھا ہے اور دوسرے ایسے مقامات پر بھی اس کو مذکور کیا ہے۔ جہاں حج یا بیت اللہ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں۔ قرآن کے اس انداز سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ قربانی جس طرح حاجیوں کے لئے ہے اسی طرح ان کے علاوہ دنیا میں سب مسلمانوں کے لیے بھی ہے۔ جیسے کہ نماز[1] حاجی اور غیر حاجی سب کے لیے یکساں ضروری ہے۔

اب یہاں یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ حاجی کی نماز اور غیر حاجی یعنی مکہ سے دور ہونے والے شخص کی نماز میں ایک خاص بات کا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص مکہ میں ہو اس کے لیے نماز میں عین کعبہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے مگر جو لوگ مکہ سے دُور زمین کے دُوسرے حصّوں میں نماز ادا کرتے ہیں ان کے لیے صرف سمت کعبہ ہی کافی ہے۔

اور بالکل یہی قانون قربانی میں بھی جاری ہے جو لوگ مکہ میں حج کی قربانی کریں ان کے لیے خاص قربانگاہ (منیٰ) میں قربانی کرنا ضروری ہے۔ مگر دُور والوں کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جانور کو قبلہ رُخ لٹالیں اور اللہ کا نام لیتے ہوئے ذبح کر دیں۔

---

[1] اسی لیے قرآن نے قربانی کو نماز کے ساتھ ملا کر بھی ذکر کیا ہے (دیکھیے انعام: ۱۶۲ اور کوثر: ۲)

قربانی اور عربی لغت

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قربانی صرف مکہ میں ہو سکتی ہے اور عام قربانی کا اسلام میں کوئی وجود نہیں ان کو توجہ دلانے کے لیے عربی لغت اور عربی لٹریچر سے بھی اس مسئلے کے لیے واضح شہادت لائی جا سکتی ہے۔

عربی زبان میں خاص اور عام قربانی کی ہر دو صورتوں کے لیے دو الگ الگ لفظ موجود ہیں۔ اس خاص قربانی کے لیے جسے حرم مکہ میں بھیجا جاتا ہے اور وہیں ذبح کیا جاتا ہے، عربی میں ھدی کا لفظ ہے اور اس عام قربانی کے لیے جو عید قربان کے دن مکہ سے باہر تمام دنیائے اسلام میں ادا کی جاتی ہے، عربی میں اضحیہ کا لفظ اور بعض دیگر الفاظ بھی موجود ہیں۔ ایسا ہی ان دونوں لفظوں کے مفہوم کی وضاحت کے لیے عربی زبان کی کتب لغت سے چند عبارات درج کی جاتی ہیں:

۱۔ ھدی: ۱۔ والھدیُ مَا اُھدِیَ الیٰ مکۃ مِنَ النعم وَفی التنزیلِ العزیز: حتیٰ یبلغ الھدیُ محلہ (لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۵۸)

اور ھدی وہ مویشی ہیں جنہیں مکہ کی طرف روانہ کیا جائے۔ قرآن میں ہے "یہاں تک کہ ھدی اپنے مقام کو پہنچے۔"

۲۔ ھدی: مَا اُھدی الی الحرم من النعم (منجد ص ۹۴۵)

ھدی وہ جانور ہے جو حرم کی طرف بھیجا جائے۔

منجد میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص نذر مانے کہ جب میرا کام یوں ہو گیا، تو میرا مال ھدی ہے تو یہ قسم ہو گی جس کا پورا کرنا ضروری ہو گا۔ یعنی اس ماننے ہوئے مال

کو حرم میں بھیجنا ضروری ہوگا معلوم ہوا کہ عربوں کے عرف میں لفظ ھدی اپنے مذکورہ معنی میں نہایت معروف ہے:

۳۔ ویقال مالی ھدیٌ، ان کان کذا وکذا" وھو یمینٌ۔ (منجد ۹۴۵)

اور عربی میں کہا جاتا ہے کہ "اگر یوں ہو گیا تو میرا مال ھدی ہوگا" ۔ اور یہ قسم ہے۔

قاموس اور اس کی شرح تاج العروس بھی ھدی کی یہی تشریح کرتی ہے۔

۴۔ والھدی ما اھدی الی مکۃ من النعم (تاج العروس ج ۱۰ ص ۴۰۸)

اور ھدی وہ مویشی ہے جسے مکہ کی طرف بھیجا گیا ہو۔

۵۔ والھدیُ ما یُھدیٰ الی الحرم، من النعم (المصباح المنیر للمقری ج ۲ ص ۱۵۳)

اور ھدی وہ مویشی ہے، جسے حرم کی طرف بھیجا جاتا ہے

۶۔ عربی کے شاعر بھی "ھدی" کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں ۔ ۔

حلفتُ بِرَبِّ کعبۃ والمصلّٰی

واعناق الھدیِّ مقلّداتٍ (فرزدق)

"میں رب کعبہ کی قسم کھاتا ہوں اور سجدہ گاہ کی قسم کھاتا ہوں ۔ اور ہار پہنائے ہوئے ہدی کے جانوروں کی گردنوں کی قسم کھاتا ہوں"

اور ہار صرف ان جانوروں کو پہنائے جاتے تھے، جنہیں حرم مکہ، کی طرف بھیجا جاتا تھا۔

اسی طرح قرآن حکیم اور احادیث میں بھی یہ لفظ اسی معنی کے لیے استعمال ہوا

ہے اس کے بعد حرم کی طرف بھیجے جانے والے اور حرم میں ذبح ہونے والے ان جانوروں (یعنی ھدی) کی چار صورتیں قرآن اور عربی زبان سے معلوم ہوتی ہیں:

۱- ھدی احصار : جو حاجی راستے میں روک دیے جائیں وہ حرم کی طرف قربانی کا جانور روانہ کرتے ہیں۔

۲- ھدی تمتع : جو حاجی حج اور عمرہ ملا کر ادا کریں، وہ حرم میں جانور ذبح کرتے ہیں۔

۳- ھدی جنایت : جس حاجی سے قانون حج کی کوئی خلاف ورزی ہو جائے مثلاً شکار کرلے۔ وہ بھی حرم میں جانور ذبح کرتا ہے۔

۴- مذکورہ صورتوں کے علاوہ عربوں میں ھدی کی منت بھی مانی جاتی ہے یعنی اگر فلاں کام ہو گیا تو میں حرم بیت اللہ میں ذبح ہونے کے لیے جانور بھیجوں گا منجد اور دیگر کتب لغت میں بھی اس کا ذکر ہے اور بعض اوقات محض اپنی خوشی سے بیت اللہ کے ساتھ اظہار عقیدت کے لیے بھی ھدی کے جانور روانہ کیے جاتے ہیں۔ اوپر کی تین صورتیں تو قرآن میں صراحت کے ساتھ مذکور ہیں اور چوتھی شکل کی طرف اشارے موجود ہیں۔ البتہ عربی ادب اور مکہ و عرب کے مسلمانوں کے عمل سے یہ قسم بھی صراحتہً ثابت ہے۔

اس ساری تشریح سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ ھدی کا لفظ، قربانی کی اس خاص شکل کیلئے ہے جسے حرم مکہ کے ساتھ مختص کیا گیا ہو۔ اس کے بعد لفظ اُضحیہ کی تشریح پیش کی جاتی ہے۔

٥ اضحیۃ :

۱- وضحّٰی بالشاۃ : ذبحھا ضحی النحر، ھذا ھو الاصل وقد تستعمل الاضحیۃ فی جمیع اوقات ایام النحر - وضحّٰی بشاۃ من الاضحیۃ وھی شاۃ تذبح یوم الاضحٰی - والضحیّۃ ما ضحیت بہ ' وھی الاضحاۃ وجمعھا اضحیً .... وبھا سمّی یوم الاضحیٰ -

(لسان العرب ج ۱۴ ص ۴۷۶/۴۷۷)

اور 'ضحیٰ بالشاۃ' کا معنی ہے "عید کے روز چاشت کے وقت بکری کو ذبح کیا۔" یہ اصل معنی ہے اور لفظ 'اضحیہ' ایام قربانی کے تمام اوقات پر بھی بولا جاتا ہے - اور "ضحّٰی بشاۃ من الاضحیہ کا مفہوم ہے وہ بکری جو عید الاضحیٰ کے دن ذبح کی جاتی ہے۔" اور 'ضحیہ' وہ جانور جسے قربانی کیا جائے اور وہ 'اضحاۃ' ہے - (وزن لفظ بتلایا ہے) اور اس کی جمع ۲ اضحیٰ ہے اور اسی سے "یوم الاضحیٰ" (یعنی عید الاضحیٰ) کا نام پڑا ہے -

معلوم ہوا لفظ 'اضحیہ' اس قربانی کے لیے ہے جو عید قربان کے دن ذبح کی جاتی ہے اور اس میں مقام ذبح کی کوئی قید نہیں - لسان العرب نے 'اضحیہ' کی تشریح کے لیے یہ حدیث بھی درج کی ہے :

۲- وفی الحدیث : انّ علٰی کلّ اھل بیت اضحاۃً کل عام (لسان العرب ج ۱۴ ص ۴۷۷)

اور حدیث میں ہے : "بلاشک ہر گھر والے پر' ہر سال میں' ایک بار قربانی ہے"

۳۔ الضحیّۃ : شاۃ یضحّٰی بہا ...... جمع ضحایا، ضحّٰی بالشاۃ : ذبحہا فی الضّحٰی من ایام الاضحٰی (منجد ص ۴۶۲)	"ضحیۃ" وہ بکری ہے، جسے قربانی کیا جائے اس کی جمع ضحایا ہے۔ "ضحّٰی بالشاۃ" کے معنی ہیں بکری کو، ایام قربانی میں چاشت کے وقت ذبح کیا۔

۴۔ تاج العروس کے الفاظ یہ ہیں :

وضحّیت بالشاۃ تضحیۃً، ذبحتہا فیہا ای فی ضحی النحر، ہذا ہو الاصل فیہ و قد تستعمل فی جمیع اوقات النحر (تاج العروس ج ۱۰ ص ۲۱۷)	اور "ضحیت بالشاۃ" کے معنی ہے۔ "بکری کو قربانی کے دن، چاشت کے وقت ذبح کیا"۔ اور یہ لفظ قربانی کے تمام اوقات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اس کے بعد، صاحب لغات 'عید قربان' کی وجہ تسمیہ بھی بیان کرتا ہے :

۵۔ وبہا سمّی یوم النحر، یوم الاضحٰی، قال یعقوب، سمّی الیوم اضحٰی بجمع الاضحاۃ التی ہی الشاۃ۔	اور اسی قربانی کی وجہ سے یوم نحر (دسویں ذی الحج) کو یوم الاضحٰی کا نام دیا گیا ہے۔ یعقوب نے کہا : آج کے دن کو 'اضحی' اضحاۃ

ا؎ عید الاضحٰی کے بعد دو دن، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ بھی قربانی کے دن ہیں۔

(تاج، ص ۲۱۷ ج ۱۰) کی جمع سے کہا گیا ہے جو قربانی کی بکری ہے

۶۔ شیخ عبداللہ بستانی (لبنان) کی مرتبہ عربی ڈکشنری "البستان" میں اس لفظ کی تشریح یوں دی گئی ہے۔

وضحّٰی بالشاۃ ذبحھا فی الضُحٰی من ایام الاضحٰی ای عید النحر ثم کثر، حتٰی قیل ذلک ولو ذبح آخر النھار

(البُستان ج ۲ ص ۱۳۹۵)

اور "ضحّٰی بالشاہ" کا معنیٰ ہے۔ "بکری کو قربانی کے دنوں، یعنی عید قربان میں چاشت کے وقت ذبح کیا۔ پھر اس کا استعمال عام ہو گیا، یہاں تک کہ اگر اس دن، پچھلے پہر ذبح کرے تو بھی یہی لفظ بولا جائیگا

ذرا آگے لکھا ہے:

الاضحاۃ شاۃ یُضحی بھا ج اضحٰی ومنھا یوم الاضحٰی اے یوم النحر

(البستان ج ۲ ص ۱۳۹۵)

اضحاۃ وہ بکری ہے، جسے قربانی کیا جاتا ہے اس کی جمع اضحٰی ہے۔ اور اسی سے 'یوم الاضحٰی' کا نام ہے یعنی قربانی کا دن۔

۷۔ وضحّٰی تضحیۃ اذا ذبح الاضحیۃ وقت الضُحٰی، ھذا اصلہ، ثم کثر، حتٰی قیل ضحّٰی فی ای وقتٍ کان مِن ایّام التشریق۔

اور "ضحّٰی تضحیۃ" کا معنیٰ ہے۔ "قربانی، چاشت کے وقت ذبح کی"۔ پھر استعمال عام ہو گیا۔ حتیٰ کہ یہ لفظ بولا جاتا ہے خواہ ایام قربانی (تین دن) میں کسی وقت بھی قربانی

"المصباح المنیر" للمقری ج ۲ ص ۳) | ذبح کی گئی ہو۔

اوپر کی سطور میں لفظ اضحیہ کی تشریح کے لیے چند کتب لغت کے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں یہ لفظ اس قربانی پر بولا جاتا ہے جو عید قربان کے دن ذبح کیا جاتا ہے اور اس میں مقام ذبح کی کوئی قید نہیں۔ اگر اس قربانی کے لیے بھی جگہ کی قید ہوتی تو ڈکشنری والوں کا فرض تھا کہ اسے بیان کرتے۔ جیسے کہ ھدی کی تشریح میں یہ قید سب نے لگائی ہے لغت سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ھدی کے لیے مقام ذبح کی قید ہے مگر اضحیہ یعنی عام قربانی کے لیے مقام ذبح کی نہیں، بلکہ وقت ذبح کی قید ہے یعنی ہدی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حرم میں ذبح ہو لیکن اضحیہ کے لیے صرف یہ ضروری ہے کہ وہ قربانی کے مقررہ وقت میں ذبح کی جائے۔ لفظ اضحیہ کا استعمال، عید قربان کی اسی عام قربانی کے لیے عربی شعراء کے ہاں بھی بے تکلف پایا جاتا ہے۔ دیکھیے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

یَا قَاسِمَ الْخَیْرَاتِ یَا مَأْوَی الْکَرَمْ
قَدْ جَاءَتِ الْاَضْحٰی وَمَالِیْ مِنْ غَنَمْ

(اے خیرات کے بانٹنے والے اور اے سخاوت کے سرچشمہ۔ یوم اضحیٰ (عید قربان کا دن) آگیا ہے اور میرے پاس کوئی بکری نہیں)

صاف ظاہر ہے کہ شاعر یہاں اس قربانی کا ذکر کر رہا ہے جو عید قربان کے آنے پر ہر جگہ ادا کی جاتی ہے۔ ورنہ قربانی کی وہ خاص شکل (حرم والی) مراد لینے سے شعر کا معنی کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اگر حرم والی قربانی مراد لیتا،

تو شاعر یہ کہتا کہ اے میرے ممدوح بادشاہ! میں کعبہ کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔ اور وہاں جانور قربانی کیے جاتے ہیں مگر میرے پاس کوئی بکری نہیں نیز لفظ "اضحی" نہ بولتا، بلکہ ہدی کہتا۔ اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار بھی ہیں:

دابتکم، بنی الحذاء لما
دنا الاضحی وصلّلت اللحائم (ابو الغول)

الا لیت شعری ھل تعودن بعدھا[1] علی الناس اضحیً تجمع الناس دفطر

عربی لغت اور عربی ادب کی ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں حرم والی خاص قربانی کے لیے لفظ ھدی ہے اور عید الاضحی کی عام قربانی کے لیے لفظ "اضحیہ" ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ابتداء ہی سے اسلامی معاشرے میں اور عرب مسلمانوں کے تعامل میں قربانی کی خاص اور عام دونوں شکلوں کا وجود نہیں تھا۔ تو ان کے لیے الگ الگ دو لفظ کیونکر زبان میں داخل ہو گئے؟ کیونکہ "علم اللسان" (PHILOLOGY) کا یہ اصول ہے کہ جب تک کوئی حقیقت انسانوں کی سوسائٹی میں عمل اور استعمال کی رُو سے معرضِ وجود میں نہیں آجاتی اس وقت تک اس کے لیے لفظ وضع کرنے کی حاجت نہیں پڑتی۔

کیا عربی لغت کی ان کتابوں اور عربی ادبیات کے ان ذخیروں میں بھی کسی "مُلّا" نے ہی اپنی مرضی کے لفظ گھڑ گھڑ کر شاملِ زبان کر دیے ہوئے ہیں؟

---

[1] یہ تمام اشعار لسان العربیہ میں مذکور ہیں۔

قربانی کے متعلق حضورؐ کا قول اور عمل

یہاں ہم یہ بتائیں گے کہ قربانی کرنے بارے میں حضورؐ کا اپنا عمل مبارک کیا تھا؟ نیز آپ نے قربانی کے متعلق کیا کچھ ارشاد فرمایا۔ پہلے آپ کے عمل کا بیان آتا ہے

۱۔ عن ابن عمرؓ[1] قال: اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی۔
(مسند امام احمد ج ۷ ص ۸۵ = ترمذی)

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا۔ حضورؐ مدینہ میں دس سال قربانی کرتے رہے۔

۲۔ عن ابن عمرؓ[2] کان یذبح اضحیتہ بالمصلّی یوم النحر، و ذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعلہ
(مسند امام احمد ج ۸ ص ۱۷۶) (ابوداؤد - ابن ماجہ - بخاری معناہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی قربانی عیدگاہ[3] کے پاس ذبح کرتے تھے۔ اور انہوں نے بتلایا کہ حضورؐ کا طریقہ مبارکہ بھی یہی تھا۔"

۳۔ عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ینحر بالمدینۃ[4]

عبداللہ بن عمرؓ سے ہے۔ کہ حضورؐ عید قربان کے دن مدینہ میں اونٹ

---

[1] حدیث کے راوی یہ ہیں: یحیی بن زکریا، حجاج، نافع، ابن عمرؓ۔ مسند احمد کا محشی اسناد کو صحیح قرار دیتا ہے اسی طرح امام ترمذی نے اسے "حدیث حسن" کہا ہے [2] اسکی اسناد بھی صحیح ہے
[3] عیدگاہ مدینہ میں تھی [4] مسند امام احمد میں اس حدیث کی جو سند مذکور ہے وہ ضعیف ہے لیکن نسائی میں یہی حدیث ایک دوسری اسناد کے ساتھ مروی ہے اور یہ اسناد صحیح ہے۔ (دیکھیے نسائی ج ۲ ص ۲۰۳)

يَوْمَ الْاَضْحٰی بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ : وَكَانَ اِذَا لَمْ يَنْحَرْ ذَبَحَ

(مسند احمد ج ۹ ص ۱۹۸، نسائی)

کی قربانی کرتے اور کہا کہ جب اونٹ کی قربانی نہ کرتے، تو دوسرے کسی جانور (بکرے مینڈھے وغیرہ) کی کردیتے۔

۴۔ عن انس بن مالك : انّ رسُولَ اللّٰهِ صلّى اللّٰهُ عليه وسلّم، ضحّٰی بكبشين املحين (كتاب اختلاف الحديث شافعي على حاشيه كتاب الام ج ۷ ص ۲۰۱)

حضرت انس بن مالک سے ہے کہ حضورؐ نے دو سفید رنگ کے مینڈھے قربانی کیے۔

۵۔ قَسَّمَ النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم بَیْنَ اصحابه الضّحایا (بخاری ج ۲ ص ۸۳۲)

حضورؐ نے اپنے صحابہ کے درمیان قربانی کے جانور تقسیم فرمائے۔

۶۔ ضحّٰی رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عَنْ ازواجه بالبقر (بخاری)

حضورؐ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی

۷۔ عَنْ انسٍؓ قال ضحّی النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم بکبشین املحین فرأیته واضعاً قدمه علی صفاحهما یسمّی ویکبّر فذبحهما بیده

(بخاری ج ۲ : ص ۸۳۴ -)

(نسائی ج ۲ : ص ۱۸۱ -)

حضرت انسؓ سے ہے : کہ حضورؐ نے دو سفید مینڈھے قربانی کیے چنانچہ میں نے خود دیکھا کہ حضورؐ اپنا قدم مبارک جانوروں کے پہلو پر رکھے ہوئے بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر پڑھ رہے تھے پس آپ نے دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا۔

۸۔ ضحّٰی بالمدینة کبشین املحین اقرنین (بخاری ج ۱ ص ۲۳۱)

حضورؐ نے مدینہ میں دو مینڈھے سفید رنگ کے سالم سینگوں والے قربانی کیے"

۹۔ عن جابر بن عبد اللہ قال : ضحّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عید بکبشین (ابن ماجہ ۲۳۳)

حضرت جابرؓ نے فرمایا : حضور نے عید کے دن، دو مینڈھے قربانی کیے۔

ان احادیث میں، قربانی کے متعلق حضورؐ کے عمل مبارک کا ذکر تھا اب، قربانی کے متعلق آپ کے فرمان اور ارشادات بیان کیے جاتے ہیں :

۱۰۔ یا ایّھا النّاس اِنّ علی کلّ اھل بیتٍ فی کلّ عامٍ اُضحیۃٌ

(سنن ابن ماجہ ص ۲۳۳)

حضورؐ نے فرمایا : اے لوگو! ہر گھر والے (صاحب حیثیت) پر سال میں ایک بار قربانی ہے۔

۱۱۔ مَن کان لہ سعۃ ولم یضحّ فلا یقربن مصلّانا

(مستدرک حاکم، بخاری ج ۲ ص ۸۳۲ ۱۹۹۱، سنن ابن ماجہ ص ۲۳۲)

"جو صاحب حیثیت ہو، اور قربانی نہ کرے پس وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

۱۲۔ قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ ماھٰذہ الاضاحی ؟ قال سنّۃ ابیکم ابراھیم (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۱۔ مسند امام احمد، مشکوٰۃ ص ۱۲۹۔ ابن ماجہ ۲۳۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام نے پوچھا : اے اللہ کے رسول! یہ قربانیاں کیا ہیں ؟ آپ نے فرمایا : "تمہارے باپ حضرت ابراہیم کی یادگار ہیں۔"

۱۳۔ عن عائشۃ، قال النبی صلی اللہ

حضرت عائشہ سے ہے حضور نے فرمایا :

۱؎ اس حدیث کی تشریح "قربانی اور ائمۂ اربعہ" کی فصل میں آ چکی ہے نیز اگلی حدیث بھی اس کی شرح کرتی ہے

علیہ وسلم: مَا عَمِلَ ابنُ آدَمَ مِنْ یوم النحر اَحَبَّ الی اللّٰہ مِنْ اِهراق الدَّم (ترمذی، ابن ماجہ مشکوٰۃ ص۱۲۸)

عید کے دن تمام اعمال سے خدا کے نزدیک ابن آدم کا محبوب ترین عمل قربانی کرنا ہے۔

۱۴۔ مَن کان ذبح قبل الصلوٰۃ فلیذبح اخری مکانها (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ ص ۱۲۹)

جو شخص نماز عید سے پہلے ہی قربانی کرلے، وہ دوبارہ قربانی کرے[۱]

۱۵۔ عن براء بن عازب سئل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ماذا یُتّقی عن الضحایا، فاشار بیدہٖ وقال اَربعٌ وکان البراءُ بن عازب یشیر بیدہٖ ویقولُ یدی اقصر من ید رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، العرجاءُ البَیّنُ ظلعها والعوراءُ البَیّنُ

حضرت براء بن عازب سے ہے حضورؐ سے پوچھا گیا قربانی کے سلسلے میں کون سے جانوروں سے پرہیز کی جائے۔ پس حضورؐ نے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ کہا "چار" اور حضرت براء بھی ہاتھ کا اشارہ کیا کرتے تھے[۲] اور کہتے تھے کہ میرا ہاتھ، حضورؐ کے ہاتھ سے چھوٹا ہے "وہ لنگڑا جانور، جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، وہ کانا جانور جس کا یہ نقص ظاہر ہو

[۱] شریعت میں تو قربانی کے آداب تک کی پابندی اس قدر ضروری قرار دی گئی ہے کہ حضورؐ نے ان لوگوں کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا جو خلافِ طریقہ نماز عید سے پہلے قربانی کریں اور آج یہ گنجائش بھی پیدا کی جا رہی ہے کہ قربانی کی بجائے پیسے کسی فنڈ میں جمع کرا دینے چاہئیں [۲] صحابہ کی عادت تھی کہ حدیث رسولؐ میں از حد احتیاط ملحوظ رکھتے چنانچہ اگر الفاظ کے ساتھ کہیں حضورؐ نے ہاتھ یا انگلی کا کوئی اشارہ کیا ہے تو صحابہ نے اس اشارے کی نقل کرنا بھی ضروری سمجھا۔ اس کی مثالیں حدیث میں بہت ہیں۔ کوکب

عورها والمريضة البيّن مرضها والعجفاء التي لا تنقي (موطا امام مالک ص ١٨٦)

وہ بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو اور اتنا کمزور کہ ہڈیوں میں مغز نہ ہو۔

١٦- عويمر بن اشقر ذبح ضحيته قبل ان يغدو يوم الاضحى وانه ذكر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فامره ان يعود بضحية اخرى (موطا امام مالک ص ١٨٧)

حضرت عویمرؓ نے عید کے روز، نماز عید جانے سے پہلے قربانی کر لی۔ اور پھر اس بات کا ذکر حضورؐ کی خدمت میں کیا۔ تو آپ نے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا۔"

١٧- عن جابر بن عبد الله السلمی[1] ان رسول الله نهى عن اكل لحوم الضحايا بعد ثلاثة ايام ثم قال بعد ذلك: كلوا وتزودوا وادخروا

حضرت جابرؓ سے ہے کہ حضورؐ نے تین دن سے بڑھ کر قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ پھر اس کے بعد (دوسرے موقع پر) فرمایا: کھاؤ اور توشہ بناؤ اور ذخیرہ کرو۔

(موطا مالک ص ١٨٧: ابن کثیر ج ٣ ص ٣٢٣ بفرق یسیر)

نوٹ: تین دن سے زیادہ گوشت کھانے اور جمع کرنے سے حضورؐ نے اس موقع پر منع کیا تھا جب عرب دیہاتیوں کی ایک بڑی جماعت مدینہ میں آئی ہوئی تھی منشاء یہ تھا کہ گوشت زیادہ سے زیادہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے یہ وجہ خود حضورؐ نے واضح فرما دی تھی۔

[1] اس حدیث کی اسناد یہ ہے امام مالکؒ، ابن زبیر مکیؒ، جابرؓ، گویا امام مالکؒ و صحابی کے درمیان صرف ایک شخص کا واسطہ ہے۔

إِنَّمَا نَهَيْتُكُم مِنْ أَجْلِ الدَّافَّةِ الَّتِي دَفَّتْ عَلَيْكُم حَضْرَةَ الأَضْحَى، فَكُلُوا وَتَصَدَّقُوا وَادَّخِرُوا، يعني بالدافة قوماً مساكين قدموا المدينة (موطا ص ۱۸۷ و ۱۸۸)

میں نے صرف اس جماعت کی وجہ سے روکا تھا، جو عید قربان کے موقع پر تمہارے پاس آئی ہوئی تھی لیکن اب کھاؤ، خیرات کرو اور جمع کرو "دافۃ" سے مراد فقراء کا وہ گروہ ہے جو مدینہ آئے ہوئے تھے۔

قربانی کے متعلق حضور کے قول اور عمل سے تفصیلات اور مسائل قربانی کی ایک طویل فہرست بنتی ہے مگر یہاں صرف چند احادیث شریفہ پر اکتفا کیا گیا ہے جو لوگ مزید مطالعہ کے طالب ہوں۔ وہ صحاح حدیث کی طرف رجوع کریں۔ حدیث کی ہر کتاب میں "کتاب الضحایا" یا "باب الضحایا" کا مستقل عنوان رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ہم قربانی کے متعلق صحابہ کے اقوال اور ان کا طرز عمل بیان کرتے ہیں:

قربانی کے متعلق صحابہ کا قول وعمل

۱۔ عن نافع[1] ان عبد اللہ بن عمر ضحی مرۃ بالمدینۃ قال نافع: فامرنی ان اشتری لہ کبشا فحیلاً اقرن،

حضرت نافع سے ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے مدینہ میں قربانی کی۔ نافع کہتے ہیں چنانچہ مجھے حکم دیا کہ میں حضرت کیلئے نر مینڈھا خریدوں

---

[1] اسناد یہ ہے مالک، نافع، عبد اللہ بن عمرؓ۔ دیکھئے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ صحابی ہیں حضرت نافع تابعی ہیں اور حضرت مالک امام حدیث حضرت نافع کے شاگرد ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ جو لوگ آجکل احادیث پر اعتماد ختم کرنا چاہتے ہیں وہ ایسی احادیث کے راویوں پر کیا شک کریں گے مالک، نافع، ابن عمر میں کونسی شخصیت ایسی ہے جس کے متعلق (خاکم بدہن) جھوٹ کا شبہ ہو سکتا ہے اور موطا امام مالک کی اکثر احادیث کا یہی عالم ہے لیکن مخالفین حدیث کو سوچنا چاہیے اور دردمندی سے سوچنا چاہیے

ثم اذبحه یوم الاضحی فی مصلّی النّاس قال نافع: فضعلت ثم حُمل الی عبداللہ بن عمر: وکان مریضًا لم یشهد العید مع المسلمین

(موطا ص، ۱۸۰)

اور پھر اسے عید گاہ کے پاس عید کے دن ذبح کروں"۔ پس میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ جانور (ذبح کے بعد) حضرت عبداللہ کے ہاں پہنچا دیا گیا .... اور آپ بیمار تھے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کے ساتھ نماز عید میں بھی شریک نہ ہو سکے تھے"

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی نظر میں قربانی کی کتنی اہمیت تھی کہ بیماری کے باعث نماز عید میں شریک نہیں ہو سکے تاہم قربانی فوت نہیں ہونے دی۔

۲۔ عن ابی اُمامۃ بن کنّا نُسمّن الاضحیۃ بالمدینۃ و کان المسلمون یُسمّنون"

(بخاری ج ۲ ص ۸۳۳)

حضرت ابوامامہ رضؓ سے ہے انہوں نے کہا "ہم (یعنی صحابہ) مدینہ میں قربانی کے جانوروں کو خوب پالا کرتے تھے اور سب مسلمان بھی خوب پالتے تھے۔

گویا قربانی افزائش نسل کا سبب بن گئی تھی۔ آج بھی اس طرز عمل سے جانوروں کی نسل میں برکت آ سکتی ہے۔ مگر ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم اسلام پر صرف اعتراض کرنا جانتے ہیں عمل کرنا نہیں جانتے۔

۳۔ عن جابر بن عبد اللہ قال: کُنّا نتزوّدُ لحوم الاضاحی علی عهدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

(بخاری ج ۲ ص ۸۳۵)

"حضرت جابر سے ہے۔ انہوں نے کہا: ہم (صحابہ) حضورؐ کے زمانے میں قربانیوں کا گوشت جمع کرکے رکھ لیا کرتے تھے۔

۴۔ عن عائشۃ رضؓ قالت......

حضرت عائشہ رضؓ سے ہے۔ انہوں نے

الضحیۃ کنا نملح منہا

(بخاری ج ۲ ص ۸۳۵)

فرمایا: قربانیوں کا کچھ گوشت ہم نمک لگا کر رکھ لیا کرتے تھے۔"

۵۔ عن عائشۃ رضؓ قالت: کنا نخبأ الکراع لرسول اللہ شہراً، ثم یاکلہ

(نسائی ج ۲ ص ۱۸۵)

حضرت عائشہؓ سے ہے انہوں نے فرمایا ہم حضورؐ کے لیے مہینہ مہینہ گوشت رکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ اُسے استعمال فرماتے رہتے۔

۶۔ عن ابن عباسؓ قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فحضر النحر فاشترکنا فی البعیر عن عشرۃ والبقرہ عن سبعۃ

(نسائی ج ۲ ص ۱۸۱)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ہم حضورؐ کے ساتھ سفر میں تھے کہ قربانی کے دن آ گئے۔ چنانچہ ہم میں سے دس دس نے اونٹ میں اور سات سات نے گائے میں شریک ہو کر قربانی ادا کی۔

معلوم ہوا کہ سفر کے دوران بھی صحابہ اور حضور قربانی ترک کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔[له] فقہ حنفی کی رُو سے اونٹ میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں کیونکہ دوسری حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ دیکھئے:

عن جابرؓ قال: نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الحدیبیۃ البدنۃ عن سبعۃ والبقرۃ عن سبعۃ

(موطا ص ۱۸۷)

حضرت جابرؓ نے فرمایا: ہم نے حدیبیہ والے سال حضورؐ کے ساتھ اونٹ اور گائے کی قربانی سات سات کی طرف سے کی۔

له ویسے مسافر کے ذمے قربانی لازم نہیں ہے خواہ وہ امیر ہی ہو۔ احناف کا مسلک یہی ہے۔

لہذا احناف نے سات کی تعداد پر عمل کیا ہے۔ کیونکہ احتیاط اسی میں ہے:

۷۔ عن محمد بن سیرین قال: سالت ابن عمرؓ عن الضحایا أ واجبة هی؟ قال ضحّٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم والمسلمون من بعدہ وجرت به السنة

(ابن ماجه ص ۲۳۲)

حضرت محمد بن سیرینؒ نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا، کیا قربانی واجب ہے۔ آپ نے فرمایا: حضورؐ نے قربانی کی، اور آپ کے بعد والے مسلمانوں نے قربانی کی اور قربانی کی یادگار جاری ہے۔"

۸۔ عن علی رضؓ قال: امرنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم ان اضحّی عنه، فانا اضحّی عنه ابدا

(مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۵۲)

حضرت علی رضؓ نے فرمایا۔ مجھے حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ میری طرف سے قربانی کیا کرنا، چنانچہ میں آپ کی طرف سے ہمیشہ قربانی کیا کرتا ہوں۔

اللہ اکبر! حضورؐ کو اپنے والد کریم سیدنا خلیل علیہ السلام کی سنت سے کس قدر محبت تھی کہ بعد وصال، حضرت علی رضؓ کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت فرماتے ہیں۔

۹۔ امر ابو موسی الاشعری بناته ان یضحین بایدیهن

(بخاری ج ۲ ص ۸۳۴)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے قربانی ذبح کریں۔

۱۰۔ حضرت ابوبکر رضؓ، حضرت عمر رضؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضؓ رضوان اللہ علیہم عید قربان کے خطبے میں عید اور قربانی کے مسائل بیان فرمایا کرتے تھے (دیکھئے بخاری ج ۲ ص ۸۳۵) اور مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۴۷۔

سطور بالا میں حضورؐ اور صحابہ کے قول و عمل میں سے ان چند باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں قربانی کا تصور کیا تھا۔ اور اس کی ادائیگی کا طریقہ کیا تھا۔ یہ احادیث اصول روایت اور درایت دونوں لحاظ سے اس قدر اطمینان بخش ہیں کہ ان پر کوئی جرح و قدح نہیں ہو سکتی۔ اب جو لوگ آج قربانی کے مسئلے کو نئی تجویزوں کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو قربانی کا ایک نیا خود ساختہ تصور دینا چاہتے ہیں۔ وہ یا تو ثابت کریں کہ یہ تمام احادیث جن سے حضورؐ اور صحابہ کا طرزِ عمل معلوم ہوتا ہے، بالکل نقلی اور من گھڑت ہیں۔ اور ان حدیثوں کو (عیاذاً باللہ) فلاں مُلّا نے فلاں دور میں بیٹھ کر گھڑا تھا اور پھر انہیں بڑی سادگی کے ساتھ امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعی اور دیگر ائمہ حدیث کے کانوں میں پھونک دیا۔ چنانچہ ان نیک دل ائمہ نے بغیر کسی تحقیق کے ان روایات کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔ پس یہ حقیقت ہے موطا امام مالک، مسند امام احمد اور کتاب الامّ للشافعی کی ان روایات کی۔ اور اگر یہ بات ان سے ثابت نہ ہو سکے تو پھر ہمیں یہ سمجھایا جائے کہ شریعت کے ایک مسئلے میں حضورؐ اور صحابہ کے واضح طرزِ عمل کے ہوتے ہوئے ان کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ اسی مسئلے کے متعلق اپنا گھڑا ہوا، نیا دل طرزِ عمل دنیا کے سامنے پیش کریں۔ ؎

مُسلم از سرِّ نبی بیگانہ شد
باز ایں بیت الحرم بُت خانہ شد

قربانی اور ائمہ اربعہ

شرعی احکام کی تفصیلات میں کتاب و سنّت کے بعد فقہاء اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کو سند (AUTHORITY) کی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ایک طرف تو عربی لغت اور ادب نیز قرآن کریم اور حدیث کے علوم میں انتہائی مسلّم مقام رکھتے تھے اور دوسری طرف ان کی مساعی اس قدر اخلاص و للہیّت پر مبنی تھیں کہ ان میں سے کسی نے بھی اپنے دامن کو وقت کی سیاسیات سے داغدار نہ ہونے دیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قاضی القضاۃ کا منصب قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جا سکا البتہ جیل بھیجا جا سکا جہاں سے قید حیات کی رہائی کے بعد ہی رہائی ملی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حکومت نے مدینہ چھوڑ کر مرکز حکومت میں مدرسہ قائم کرنے کے لیے کہا مگر آپ مدینۃ الرسول سے کبھی باہر نہ نکلے آخر خلیفہ آ کر ان کے طلبا کی صف میں عام حیثیت سے بیٹھا۔ امام احمد بن حنبل رح نے خلق قرآن کے مسئلے پر معتصم سے ٹکر لی اور سر دربار کوڑے کھانے برداشت کیے۔

علاوہ ازیں ان ائمہ کا زمانہ حضورؐ سے اتنا قریب تھا کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ شرعی مسائل پر حضور اور صحابہ کا قول و عمل معلوم کر سکتے تھے۔ مثلاً امام مالکؒ نے اسی مسئلہ قربانی پر حضورؐ کا ایک فرمان صرف دو آدمیوں کے واسطے سے نقل کیا ہے یعنی مالکؒ نے ابن زبیر مکی سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہ سلمی سے اور انہوں نے حضورؐ سے وہ فرمان سنا اور اسی مسئلے پر حضرت عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ کے اقوال صرف ایک آدمی کے واسطے سے نقل کیے ہیں یعنی امام مالک کو قربانی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر

کے اقوال اور ان کا طرزِ عمل صرف ایک تابعی حضرت نافع کے واسطے سے معلوم ہوا ہے۔ یہی کیفیت امام اعظم کی روایات کی ہے۔ دیکھیے ان ائمہ کے زمانہ ولادت و وفات کا نقشہ یہ ہے:

۱۔ امام ابو حنیفہؒ سن ولادت ۸۰ھ ہجری، سن وفات ۱۵۰ھ
۲۔ امام مالکؒ " ۹۳ھ ہجری " ۱۷۹ھ
۳۔ امام شافعیؒ " ۱۵۰ھ ہجری " ۲۰۴ھ
۴۔ امام احمد بن حنبلؒ " ۱۶۴ھ ہجری " ۲۴۱ھ

انہی خصوصیات کی بناء پر امت اسلامیہ نے ہمیشہ ان اکابر علم پر پورا پورا اعتماد کیا ہے۔ اور آج تک تمام فضلاء اسلام مسائل شرعیہ کے علم اور ان کی تفہیم کے لیے انہی حضرات کی خوشہ چینی کرتے چلے آئے ہیں۔

جہاں تک قربانی کے مسئلے کا تعلق ہے ائمہ اربعہ کی رائے اور ان کے مذاہب کی تفصیلات پوری وضاحت کے ساتھ ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ قربانی کی شرعیت یعنی اس کے شرعی حکم ہونے پر چاروں فقہاء متفق ہیں۔ فقہ حنفی کی تمام متداول کتابوں میں قربانی کے لیے مستقل باب باندھے گئے ہیں اور اسی طرح مالکی، شافعی اور حنبلی مسلک کی کلیدی کتب میں بھی یہی انداز ملتا ہے۔ یہ باب "کتاب الضحایا" (قربانیوں کا باب) کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں چنانچہ ہدایہ، درمختار، شامی، فتح القدیر، عینی، فتاویٰ قاضی خاں اور اسی طرح موطا امام مالک، کتاب الام للشافعی، کتاب اختلاف الحدیث للشافعی اور مسند امام احمد کی فہرستوں میں یہی "کتاب الضحایا" کا لفظ ممتاز نظر آجاتا ہے۔

پھر مذاہب اربعہ کی ان کتابوں میں "کتاب الضحایا" کو "کتاب الذبائح" (ذبیحے کا باب) کے بعد متصل رکھا گیا ہے۔ حالانکہ "باب الھدیٰ" (حاجی کی قربانی کا بیان) کو تمام فقہاء حج کے بیان میں درج کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ چاروں فقہاء حاجی کے علاوہ تمام مسلمانوں کے لیے عام قربانی کے قائل ہیں اور کتاب الضحایا میں وہ اسی قربانی کے مسائل بیان کرتے ہیں اور اس قسم کو وہ حج یا مکہ کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے، اگر ایسا ہوتا تو یہ باب بھی حج کے مسائل کے ساتھ ملا دیا جاتا۔

اب اس مسئلے میں ائمہ فقہ کے اختلافی اقوال کا ذکر کیا جاتا ہے۔

وجوب:

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، حسنؒ اور ایک قول کے مطابق امام ابو یوسفؒ بھی قربانی کو واجب سمجھتے ہیں[1]۔ ان ائمہ کے علاوہ امام اوزاعی، ابن حبیب اور ابن قاسم بھی وجوب قربانی کے قائلین میں سے ہیں[2]۔

---

[1] ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۴۴۱۔ امام ابو یوسفؒ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ قربانی کو سنت کہتے تھے اور اسی طرح امام محمدؒ کے متعلق بھی یہ بات منقول ہے لیکن جب سنت اور وجوب کے دونوں قول موجود ہوں تو وجوب کے قول کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ بسا اوقات فقہاء کسی چیز پر سنت کا اطلاق اس معنی میں کرتے ہیں کہ وہ چیز سنت سے ثابت ہے خواہ اس کا حکم وجوب ہی ہو۔ اس کی مثال نماز وتر ہے کہ چونکہ یہ سنت یعنی حدیث سے ثابت ہے لہٰذا "ماثبت بالسنۃ" (ایسی چیز جو حدیث سے ثابت ہے) کے معنی میں اس پر "سنت" کا لفظ بولا جا سکتا ہے لیکن حکم کے لحاظ سے نماز وتر واجب ہی کہلائے گی۔ [2] ابن حبیب اور ابن القاسم کا مذہب قاضی ابو بکرؒ نے احکام القرآن ج ۲ ص ۳۲۷ پر نقل کیا ہے ابن القاسم یہ کہتے ہیں کہ جب قربانی کا جانور خرید لیا جائے تو قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

امام مالک سے بھی وجوب کا قول منقول ہے[1]۔

سُنّت : امام شافعی، امام مالک اور امام احمد حنبل کے اقوال[2] میں قربانی کو سنّت کہا گیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ترک قربانی کی اجازت دیتے ہیں ۔

دیکھیے امام مالک فرماتے ہیں :

الضحیۃ سنۃ ولیست بواجبۃ ولا احب لاحد ممن قوی علی ثمنہا ان یترکہا (موطا ص ۱۸۹)	قربانی واجب نہیں سنت ہے۔ اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ کہ قربانی کے خریدنے کی طاقت ہوتے کے باوجود کوئی شخص قربانی کو ترک کرے۔

اس مقام پر شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب مسوّی شرح موطا میں لکھتے ہیں :

قلت علیہ الشافعی وقال ابوحنیفۃ واجبۃ (مسوی ج ص ۱۸۴)	میں کہتا ہوں کہ یہی مسلک امام شافعی کا ہے اور امام ابوحنیفہ رض واجب کہتے ہیں ۔

نیز کتاب الام میں خود شافعی صاحب فرماتے ہیں :

الضحایا سنۃ لا احب ترکہا (الام ج ۲ ص ۱۸۷)	قربانیاں سنت ہیں میں قربانی کے ترک کو پسند نہیں کرتا ۔

---

[1] "وروی عن مالک مثل قول ابی حنیفۃ" (بدایۃ المجتہد ابن رشد ج ۱ ص ۳۴۸) ترجمہ : اور امام مالک سے امام ابوحنیفہ کے موافق قول نقل کیا گیا ہے" اور کرمانی میں مالکی فقہاء کا مسلک یوں بیان کیا گیا ہے "علی الموسر والمقیم کلیہما" (کرمانی شرح بخاری)

[2] الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ص ۵۹۳ ۔ اور غنیۃ الطالبین ص ۶۶۱)

معلوم ہوا کہ امام شافعی بھی امام مالک کی طرح ترک قربانی کی اجازت نہیں دیتے۔

دلائلِ سنّت

اب وہ دلائل بھی درج کیے جاتے ہیں جو "وجوب" اور "سنیت" کے قائلین اپنے اپنے مسالک کی تائید میں پیش کرتے ہیں تاکہ فقہاء کے اختلاف کا پس منظر بھی قارئین کے سامنے آجائے۔ پہلے ان لوگوں کے دلائل بیان کیے جاتے ہیں جو قربانی کو واجب نہیں کہتے، بلکہ اس کے "سنت" ہونے کے قائل ہیں۔

۱۔ من رای منکم ھلال ذی الحجۃ واراد ان یضحی فلا یحلق شعراً ولا یقلمن ظفرا حتی یضحی (احکام القرآن ج۲ ص ۳۲۷)	تم میں سے جو ذی الحج کا چاند دیکھے، اور وہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، پس وہ قربانی ذبح کرنے سے پہلے نہ بال کاٹے اور نہ ناخن۔

ابوبکر مالکیؒ نے احکام القرآن میں اور امام شافعیؒ نے کتاب الأم میں اس حدیث کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کیا ہے ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ حضورؐ نے اس حدیث میں قربانی کو ارادے پر موقوف رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ جو قربانی کا ارادہ رکھتا ہو وہ اپنے بال نہ کاٹے"...الخ لہذا معلوم ہوا کہ قربانی واجب نہیں اگر وجوب ہوتا، تو ارادے کا لفظ نہ بولا جاتا۔ مگر اس استدلال کی حیثیت غیر واضح ہے اس حدیث میں اصل بات جو حضورؐ بیان فرمانا چاہتے تھے، وہ یہ ہے کہ قربانی کرنے والے لوگ عشرۂ (دس دن) ذی الحج میں حجامت وغیرہ نہ بنوائیں۔ اب ظاہر ہے کہ قربانی کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ صاحب حیثیت اشخاص جن سے شریعت قربانی کا مطالبہ کرتی ہے اور دوسرے وہ لوگ جو محض اپنی خوشی سے قربانی ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اور چونکہ بال اور ناخن وغیرہ کٹوانے کی ممانعت دونوں قسموں کے لوگوں پر عائد ہوتی تھی۔ لہذا حضورؐ نے ارادے

کا عام لفظ بولا، یعنی جو بھی قربانی کرنا چاہتا ہو خواہ بطریق لزوم اور خواہ بطریق تطوع (اپنی خوشی سے) وہ بال اور ناخن نہ کٹوائے۔

اس کی مثال یوں سمجھیے جیسے کہا جائے کہ جو شخص روزہ کا ارادہ رکھتا ہو وہ سحری کے وقت کچھ نہ کچھ ضرور کھائے۔ اب ظاہر ہے کہ یہاں لفظ ارادہ روزے کی ہر قسم کے اختیاری ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ لازمی اور اختیاری ہر دو قسموں کو شامل کرنے کے لیے بولا گیا ہے بالکل یہی کیفیت حدیث مذکور کی بھی ہے لہٰذا اس حدیث سے قربانی کے اختیاری ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جبکہ دوسری بہت سی احادیث واضح طور سے قربانی کے لزوم پر دلالت کرتی ہیں۔

۲۔ ایک حدیث قاضی ابو بکرؒ مالکی "احکام القرآن" میں نقل کرتے ہیں[1] کہ ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا "کہ میرے پاس گھر میں ایک جانور ہے۔ جس کا ہم دودھ پیتے ہیں۔ پس کیا میں اس کی قربانی کردوں؟" تو حضورؐ نے اسے روک دیا۔ حدیث یہ ہے:

قال رجل أرأیت إن لم أجد إلا منیحة أھلي، أأضحی بھا؟ قال لا، ولکن تأخذ من شعرک، وأظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فذلک تمام أضحیتک (احکام ۳۲۷)

"ایک شخص نے پوچھا، اگر میرے پاس گھر کے دودھ والے جانور کے سوا کچھ نہ ہو، تو کیا میں اس کی قربانی کردوں حضورؐ نے فرمایا: نہ، بلکہ اپنے ناخن اور بال تراش لے، مونچھیں کتر لے اور زیر ناف کے بال صاف کر لے، یہی تیری قربانی کی تکمیل ہے"

اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ قربانی کا معاملہ لوگوں کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس

---

[1] اس احادیث کو امام احمد، نسائی، ابو داؤد، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔

روایت کے الفاظ خود بتاتے ہیں کہ سائل مذکور صاحب حیثیت شخص نہیں تھا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ مجھے قربانی کے لیے جانور مہیا نہیں ہو سکتا، البتہ گھر میں ایک جانور ہے جس کا دودھ میرے عیال استعمال کرتے ہیں"۔ ظاہر ہے کہ ایسے تنگ دست پر شریعت نے قربانی عائد نہیں کی نیز مسند امام احمد کے الفاظ سے اس دلیل کی کمزوری اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ مسند احمد میں اسی سایل کے الفاظ یوں منقول ہیں:

کہ "اگر میرے پاس کوئی جانور نہ ہو سوا میرے لڑکے کے جانور کے"	ارأیت ان لم اجد الا منیحة ابنی (مسند احمد ج ۱۰ ص ۱۱۰-۱۱۲)

ان الفاظ کا ظاہر مفہوم یہی ہے کہ یہ جانور سائل مذکور کے لڑکے کا ہے، بہرحال اس شخص کا کم حیثیت ہونا، بالکل واضح امر ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ مالکی یا شافعی فقہاء اس حدیث سے کیا دلیل حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ تنگدست پر قربانی لازم نہیں۔ اور اسے احناف بھی تسلیم کرتے ہیں۔

۳۔ صاحب روح المعانی اور بعض دیگر مفسرین نے شافعیہ اور مالکیہ کی طرف سے ایک دلیل، یہ حدیث بھی پیش کی ہے۔ حضور نے فرمایا۔

تین چیزیں مجھ پر لازم کی گئی ہیں، اور تم پر نہیں۔ نماز چاشت قربانی اور وتر۔	ثلث کتبت علیّ ولم تکتب علیکم الضحی والاضحیة والوتر (روح معانی ج ۱۰ ص ۲۴۷-۲۴۶)

بظاہر یہ حدیث ان فقہا کی طرف سے زبردست استدلال معلوم ہوتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ نہیں۔ اس حدیث میں لفظ "کُتبت" آیا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ عموماً فرض قطعی کے لیے بولا جاتا ہے۔ دیکھیے کتب علیکم الصیام (یقرہ) کتب

علیکم القصاص فی القتلیٰ (بقرہ ۱۷۸)

لہذا حضورؐ کے فرمان کا مفہوم یہ ہوا کہ یہ تین امور میرے لیے فرض قطعی ہیں۔ لیکن تمہارے لیے فرض قطعی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ فرضیت کی نفی سے وجوب کی نفی نہیں ہو جاتی۔ مثلاً نماز عید فرض نہیں ہے مگر واجب ہے۔ نیز اس حدیث کے متعلق، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ گو بعض کتب تفسیر میں اسے نقل کیا گیا ہے۔ تاہم امام مالکؒ شافعیؒ اور احمدؒ نے اسے اپنی کتب احادیث میں درج نہیں کیا۔ چنانچہ موطا، کتاب الام اور مسند امام احمد میں یہ حدیث نہیں ملتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ان ائمہ تک یہ روایت پہنچی نہیں۔ اور اگر پہنچی ہے تو ان کے نزدیک صحیح اور مستند نہ ہوگی۔ اور اگر مستند تھی تو پھر انہوں نے اسے اپنے مسلک کے حق میں لائق استدلال نہیں سمجھا۔

۴۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں ایک استدلال یہ بیان کیا ہے کہ خلیفہ اوّل اور خلیفہ ثانی اس اندیشے کی بنا پہ قربانی نہیں کیا کرتے تھے کہ مبادا دیکھنے والے اسے واجب نہ سمجھنے لگیں۔

وقد بلغنا ان ابابکر وعمر کانا لا یضحیان کراھۃ ان یقتدی بھما، لیظن من رآھما انھا واجبۃ

(الام ج ۲ ص ۱۸۹)

ہمیں روایت پہنچی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ قربانی نہیں کرتے تھے۔ اس اندیشے سے کہ کہیں (نہیں دیکھ کر) اقتداء کرنے والا، قربانی کو واجب نہ سمجھ لے۔

ان الفاظ کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما قربانی کو واجب نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ کہیں دوسرے لوگ اسے

واجب سمجھنے نہ لگ جائیں اور اسی مبینہ مفہوم کی بنا پر شافعی صاحب اس خبر پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھتے ہیں۔ مگر یہاں چند باتیں قابل غور ہیں :

۱۔ اس روایت میں یہ بات ضرور مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ قربانی نہ کرتے تھے، لیکن ایسا کوئی لفظ نہیں، جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ حضرات ہمیشہ قربانی نہ کرتے تھے۔ نیز اس روایت میں ان حضرات کی طرف سے کوئی وجہ منقول نہیں ہوئی۔ کہ اگر شیخین نے کبھی قربانی ترک کی تھی تو اس کا باعث خود انہوں نے کیا بیان فرمایا تھا۔ کیونکہ خبر تو صرف اتنی ہے :

وقد بلغنا ان ابابکرؓ و عمرؓ کانا لا یضحیان	ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر قربانی نہ کرتے تھے۔

اب اس کے بعد آگے کے یہ الفاظ :

کراھۃ ان یقتدی بھما، فیظن من رآھما انھا واجبۃ (الام ج ۲ ص ۱۸۹)	اس اندیشے کی بناء پر کہ انہیں دیکھ کر اقتداء کرنے والا کہیں قربانی کو واجب نہ سمجھ لے۔

تو یہ شافعی صاحب کا اپنا قیاس ہے یعنی حضرات شیخین کے اس عمل کی جو توجیہہ شافعی صاحب کے ہاں بنتی تھی، وہ انہوں نے اس روایت کے ساتھ ہی بیان کر دی ہے لہٰذا مذکورہ بالا متاخر الذکر الفاظ کو اصل روایت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں چونکہ شافعی صاحب کا قربانی کے بارے میں اپنا نظریہ' عدم وجوب (واجب نہ ہونے) کا ہے۔ اس لیے جب انہیں یہ روایت ملی تو بعض قرائن کے پیش نظر' انہوں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قربانی نہ کرنے کی وجہ یہی سمجھی کہ وہ قربانی کو واجب

بھی خیال نہ کرتے تھے۔ حالانکہ درحقیقت اس کی وجہ یہ نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے قربانی نہ کرنے کا مفہوم، اور اس کا باعث آگے بیان کیا جاتا ہے۔

۲- اوپر کہا جاچکا ہے کہ مذکورہ روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات کا قربانی نہ کرنا ان کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ کیونکہ دراصل یہ ایک اتفاقی امر تھا کیونکہ دوسری طرف یہ بات بالکل پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ خلیفتین کریمین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) قربانی کیا کرتے تھے چنانچہ عینی شرح ہدایہ میں قربانی کے شرعی حکم سے بحث کرتے ہوئے، علامہ عینی نے نقل کیا ہے:

لان النبیؐ والخلفاء بعدہ ضحوا (عینی ج ۴ ص ۱۷۸)	کیونکہ حضورؐ اور آپ کے بعد آپ کے خلفا قربانی کیا کرتے تھے

اسی طرح، حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک قول سے بھی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے:

عن محمد بن سیرین، قال: سالت ابن عمرؓ عن الضحایا، أواجبۃ ھی؟ قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، والمسلمون من بعدہ وجرت بہ السنۃ (ابن ماجہ ص ۲۳۲)	محمد بن سیرین سے ہے، انہوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے قربانیوں کے متعلق پوچھا، کیا یہ واجب ہیں، آپ نے فرمایا: حضورؐ نے قربانی کی اور آپ کے بعد والے مسلمانوں نے قربانی کی، اور قربانی کی یادگار جاری چلی آئی ہے۔

المسلمون من بعدہ (حضورؐ کے بعد والے مسلمان) کے الفاظ سے حضورؐ کے جانشینوں کا وہ مخصوص گروہ مراد ہے جن کا قول و عمل شریعت میں حجت قرار پاتا ہے

اور وہ خلفائے راشدین کا گروہ ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ شامل ہیں۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) اور خلفاء راشدین قربانی کا نسک ادا کیا کرتے تھے۔ لہٰذا نفی کی روایت کا مفہوم صرف یہ ہوگا کہ کبھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا قربانی نہ کرنا بھی ثابت ہے۔

۳۔ مندرجہ بالا روایات سے یہ امر واضح ہوگیا کہ خلیفتین کا اصل معمول یہی تھا کہ وہ بھی حضورؐ کی طرح قربانی کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ البتہ بعض اوقات ان سے قربانی کا ترک کرنا بھی منقول ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بعض اوقات ترک کرنے کی وجہ کیا تھی؟ اس سوال کا وہ جواب جو علامہ ابن ہمامؒ نے بیان کیا ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح ہے:

انهما کانا لا یضحیان فی حالة الاعسار مخافة ان یراها الناس واجبةً علی المعسرین" (فتح القدیر ج ۸ ص ۷۰)	"بے شک حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تنگدستی کے دنوں میں قربانی ترک کرتے کہ کہیں لوگ اسے تنگ دستوں پر بھی واجب نہ سمجھنے لگ جائیں۔"

ان اخبار سے یہ واضح ہوگیا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما، نیز تمام خلفاء اور صحابہ عام معمول کے مطابق قربانی کے پابند تھے۔ البتہ یہ ٹھیک ہے کہ تنگ دستی کے حالات میں حضرات شیخین قربانی نہ کیا کرتے تھے۔ مگر اتنی سی بات کو قربانی کے عدم وجوب پر شافعی فقہاء کس طرح دلیل لاسکتے ہیں۔ تنگی اور عسرت میں قربانی واقعی واجب نہیں ہوتی اور یہی احناف کا مسلک ہے۔

علاوہ ازیں وہ اقوال و احادیث جو قربانی کی پابندی کے متعلق خلفائے راشدین

اور اکابر صحابہ سے مروی ہیں وہ سب ہمارے موقف کی تائید میں ہیں اور وہ اس کتاب کے باب "قربانی پر صحابہ کا قول و عمل" میں مندرج ہیں۔

۵۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس کی اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

عن ابن عباسؓ انہ جلس مع اصحابہ ثم ارسل بدرھمین فقال اشتروا بھما لحماً، ثم قال ھذہ اضحیۃ ابن عباس (الام ص ۱۹۱)	حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ اپنے احباب میں بیٹھے تھے۔ پھر انہوں نے کسی کو دو درہم دے کر بھیجا کہ ان کا گوشت خرید لاؤ۔ اور پھر کہا کہ یہ ابن عباس کی قربانی ہے۔"

شافعی صاحب کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس چونکہ قربانی کے وجوب کے قائل نہ تھے۔ لہٰذا انھوں نے قربانی نہ کی اور دو درہم کا گوشت بازار سے منگوالیا مگر انصاف یہ ہے کہ اس روایت کے الفاظ میں کہیں یہ دلالت کہیں نہیں پائی جاتی، کہ حضرت ابن عباس کا قربانی نہ کرنا اس لیے تھا کہ وہ اسے واجب نہ سمجھتے تھے۔

یہاں بھی شافعی صاحب نے اپنے قیاس کو ساتھ ملا کر دلیل کا رنگ پیدا کر لیا ہے ورنہ اقرب الی الحق وہی بات معلوم ہوتی ہے جو دلیل ۱۲ میں بیان ہوئی ہے یعنی بہت ممکن ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بھی گنجائش نہ ہونے کی بنا پر قربانی نہ کی ہو۔ اور پھر ایک لطیف بات اس روایت میں یہ ہے کہ گو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں قربانی نہیں ہوئی تاہم انہوں نے اس دن گوشت کا انتظام ضرور کر لیا۔ تاکہ قربانی کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ مشابہت قائم رہے اسی لیے فرمایا کہ میری قربانی یہی ہے۔

نیز صرف دو درہم کا گوشت منگوانا (آکھ آنے) اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس موقع پر فراخ حالی نہ تھی۔ بہرکیف یہ بھی ایسی دلیل نہیں بنتی جس سے حضرات شافعیہ قربانی کا عدمِ وجوب ثابت کر سکیں۔

اوپر کی سطور میں تقریباً وہ تمام دلائل درج کر دیے گئے ہیں جن کی بناء پر بعض فقہاء نے قربانی کو درجۂ وجوب سے نیچے سمجھا ہے۔ اب یہ دلائل اور ان دلائل کی حیثیت یہ سب کچھ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے اور اس کے ساتھ آگے ہم وہ دلائل بھی بیان کر رہے ہیں جو وجوب قربانی کے حق میں پیش کیے جاتے ہیں۔ دلائل کے اس تقابلی مطالعے سے قربانی کے شرعی حکم کی تعیین میں ہمارے ذہن کو بہت مدد ملے گی۔

دلائلِ وجوب: (حدیث سے)

وجوب کے قائلین نے قرآن حکیم اور حدیث نبوی دونوں سے اپنے مسلک کی تائیدات پیش کی ہیں۔ چونکہ قائلین سنت کی طرف سے زیادہ احادیث ہی کے دلائل بیان کیے گئے ہیں اس لیے احناف کی طرف سے بھی پہلے حدیث کی وہ تصریحات درج کی جائیں گی جن سے وجوب قربانی کے مسلک پر روشنی پڑتی ہے[1]۔ پہلی قسم کی احادیث وہ ہیں، جن میں حضورؐ کے ایسے احکام نقل ہوئے ہیں جو قربانی کے لزوم پر دلالت کرتے ہیں اور دوسری قسم کی احادیث وہ ہیں جن سے قربانی پر حضورؐ کے عمل کی مداومت اور ہمیشگی ثابت ہوتی ہے۔

---

[1] قرآن حکیم کے دلائل بعد میں بیان کیے جائیں گے اس ترتیب سے غرض یہ ہے کہ حدیث کے دلائل پر ایک ہی سلسلے میں بحث ہو جائے اور اس کے بعد قرآنی آیات کا مبحث ایک جداگانہ فصل بنا دیا جائے۔

پہلی نوعیت کی حدیثیں یہ ہیں :

۱۔ من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا (ابن ماجہ ص ۲۳۲ حاکم)	جو شخص صاحب حیثیت ہو اور پھر قربانی نہ کرے پس وہ ہماری مسجد میں نہ آئے۔

حضورؐ کا یہ فرمان اپنے الفاظ اور معنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہے "لا یقربن مصلانا" "وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے" کی سزا اس امر پہ بالکل صاف دلیل ہے کہ صاحب حیثیت ہونے کے باوجود قربانی کا ترک گناہ ہے! دراس قسم کے الفاظ کسی امر واجب ہی کے لیے بولے جاتے ہیں۔ سنت کے ترک پر ایسی تہدید نہیں ہوتی۔

دوسرے مسلک کی طرف سے اس حدیث کی فہم کے لیے گو بعض توجیہات پیش کی جائیں مگر انصاف یہ ہے کہ یہ حدیث مذکورہ بالا مضمون میں بالکل واضح ہے اور کسی تاویل کی قطعاً متحمل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی وجوب کی دلیل ہے :

۲۔ یا ایہا الناس ان علی کل اہل بیت فی کل عام اضحیۃ (ابن ماجہ ص ۲۳۳)	اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال میں ایک بار قربانی ہے۔

اس حدیث میں لفظ 'علی' استعمال ہوا ہے۔ جو عربی زبان میں لزوم اور وجوب کا معنی دیتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث قربانی کا لزوم ظاہر کرتی ہے۔ البتہ دوسرے فقہا کی طرف سے اس حدیث کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہاں 'اہل بیت' 'گھر والے' کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ہر گھر کی طرف سے ایک قربانی ہوتی ہے مگر احناف[۱]

---

[۱] اس حدیث کی تفہیم کے لیے دیکھیے محلّٰی علی موطا (موطا مطبوعہ مجتبائی ص ۱۸۸) اور مسوّی علی الموطا : (شاہ ولی اللہ ج ۱ ص ۱۸۳)

کے نزدیک اس حدیث کی تفہیم یہ ہے کہ ان الفاظ سے صاحب حیثیت شخص مراد ہے کیونکہ "اھل بیت" کا لفظی ترجمہ ہے وہ شخص جس کا گھر ہو' اور اس زمانے میں چونکہ زندگی کا مدار گھر تھا' لہٰذا عموماً باحیثیت لوگ گھر والے ہوتے تھے اور بے حیثیت بے گھر ہوتے تھے اس رو سے "علیٰ کل اھل بیت" کے الفاظ کا مفہوم یہ ہوا کہ ہر باحیثیت شخص پر قربانی ضروری ہے۔

غور کرنے سے ان الفاظ کا یہی مفہوم ٹھیک ہو سکتا ہے کیونکہ دوسرا مفہوم یہ کیا گیا ہے کہ ہر صاحب خانہ پر قربانی ہے۔ اب اس میں دقت یہ ہوگی کہ ہر صاحب خانہ' ہمیشہ باحیثیت اور خوشحال نہیں ہوتا۔ کئی لوگ گھر کے رکن اعلیٰ ہونے کے باوجود مالی لحاظ سے اس قابل نہیں ہوتے کہ قربانی کا جانور خرید سکیں[1]۔

نیز مالکی اور شافعی فقہائے کرام' خواہ اس حدیث میں "اہل بیت" کا مفہوم کچھ ہی قرار دے لیں اس بات سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ یہاں لفظ 'علیٰ' وارد ہوا ہے جو عموماً وجوب کے لیے استعمال ہوتا ہے لہٰذا یہ حدیث قربانی کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ قربانی کے ضروری اور واجب ہونے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے قربانی کے مسائل بیان کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کے سامنے یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز عید سے پہلے

---

[1] ادھر مستند طریقے سے یہ بات معلوم ہے کہ حضرت علیؓ قربانی کے پابند تھے مگر پھر بھی حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: تم اپنی قربانی کے پاس موجود رہو (ذبح کے وقت) یہ الفاظ حضرت فاطمہؓ کے لیے الگ قربانی کا حکم ثابت کرتے ہیں حالانکہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ ایک ہی گھر کے فرد اور ایک ہی مکان میں آباد تھے لہٰذا حدیث مذکورہ کا یہ مطلب سمجھنا کہ ہر گھر میں صرف ایک شخص یعنی صاحب خانہ پر قربانی ہے درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام احادیث اور محاورۂ عربی کے پیش نظر اس حدیث کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ ہر صاحب حیثیت پر قربانی ہے۔

جانور ذبح کریگا اس کی قربانی نہ ہوگی بلکہ وہ دوبارہ قربانی ادا کرے۔ بخاری اور مسلم دونوں میں یہ حدیث آئی ہے۔

من کان ذبح قبل ان یصلی فلیذبح اخریٰ مکانہا۔
(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۷)

جس شخص نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی ذبح کر لی۔ وہ اس کی جگہ ایک اور جانور ذبح کرے

اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی ان عبادات میں سے ہے جن میں غلطی کی صورت میں اعادہ لازم ہے اور اعادہ واجب عبادت میں واقع ہوتا ہے۔ اگر قربانی کا درجہ محض خوشی کی عبادت کا ہوتا تو اس میں اتنی تاکید اور احتیاط کے احکام نہ دیئے جاتے۔ پھر یہ حدیث بہت سی مستند کتب حدیث میں آئی ہے اور اس کی حیثیت ایک عام تقریر کی ہے جو حضورؐ نے صحابہ کے سامنے ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد چند جزئی صورتیں اسی رنگ کی پیش آئیں۔ جن میں حضورؐ نے قربانی دوبارہ کرنے کا حکم دیا۔

(الف) ان ابا بردۃ بن نیار ذبح اضحیتہ قبل ان یذبح رسول اللہ یوم الاضحیٰ فزعم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یعود بضحیۃ اخریٰ (موطا ص ۱۸۶[1]
ج ۲ ص ۸۳۳ معناہ فی مسلم ج ۲ ص ۱۵۴ ۔

حضرت ابوبردۃ بن نیار نے، حضورؐ کے ذبح فرمانے سے پیشتر ہی قربانی کر لی۔ چنانچہ وہ سمجھے کہ حضورؐ نے انہیں ایک اور قربانی کرنے کا حکم دیا تھا۔
کتاب الام شافعی ج ۷ ص ۱۰۱ و معناہ فی بخاری
معناہ فی نسائی ج ۲ ص ۱۸۱)

---

[1] اس حدیث کے اسناد میں امام مالک اور ابوبردہ صحابی (صاحب واقعہ) کے درمیان صرف دو شخصوں کا واسطہ ہے۔ ۱۔ یحییٰ بن سعید اور ۲۔ بشیر بن یسار ۔ کوکب

(۱۰) ایک دوسرے صحابی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ اور انہیں بھی حضورؐ نے دوسری قربانی کا حکم دیا:

عن عویمر بن اشقر ذبح ضحیتہ، قبل ان یغدو یوم الاضحی وانہ ذکر ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فامرہ ان یعود بضحیۃ اخری (کتاب الام ج ۷، ص ۲۰۱ الموطا ص ۱۸۱)

حضرت عویمر بن اشقر نے عید الاضحی کے دن نماز کو جانے سے پہلے ہی اپنی قربانی ذبح کر لی۔ اور پھر انہوں نے یہ بات حضور کی خدمت میں عرض کی۔ پس آپ نے ان کو ایک اور قربانی کرنے کا حکم دیا۔

حضورؐ کے ان صریح احکام سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی میں اعادے کا قانون جاری ہے۔ اور یہ چیز قربانی کے واجب ہونے کی علامت قرار پاتی ہے۔

اوپر وہ احادیث درج ہوئی ہیں جن میں حضورؐ کے احکام سے قربانی کے واجب ہونے کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ اب وہ احادیث آتی ہیں جن میں حضورؐ کے اپنے عمل سے قربانی کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے اور جن احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے قربانی کی ادائیگی پر مواظبت فرمائی ہے یعنی آپ نے قربانی کے احکام ملنے کے بعد ہمیشہ ہی اسے ادا فرمایا اور کبھی ترک کرنے کا موقع معلوم نہیں ہوتا۔

۱۔ عن ابن عمرؓ قال: اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی (مسند احمد ج ۲ ص ۳۸ و ترمذی)[1]

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں "حضورؐ مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور ہمیشہ قربانی فرماتے رہے۔"

---

[1] مسند امام احمد کا جو ایڈیشن مصر میں شائع ہوا ہے اس کے حاشیے پر حدیث کے اسناد اور اس کے راویوں کے متعلق تحقیقی بحث کر دی گئی ہے اور محشی کی یہ کوشش نہایت ہی محقق اور قابل اعتنا تسلیم کی گئی ہے اس حاشیے میں مذکورہ حدیث کے اسناد کو اسناد صحیح قرار دیا گیا ہے اور ترمذی کا حوالہ دیا ہے کہ امام ترمذی اسے حدیث حسن کہتے ہیں۔

۲- بخاری اور ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث آتی ہے :

کان یذبح اضحیتہٗ بالمصلّٰی یوم النحر، وذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعلہٗ

(ابوداؤد و ابن ماجہ بخاری معناہ بمسند احمد ۸۲، ص ۱۲۶)

ابن عمرؓ عید قربان کے دن عیدگاہ کے پاس قربانی ذبح کیا کرتے تھے اور بتلاتے تھے کہ حضورؐ بھی اسی طریقے سے قربانی کیا کرتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ حضورؐ نے زندگی بھر قربانی کا فریضہ مواظبت (ہمیشگی) کے ساتھ ادا کیا، اور آپ کے صحابہ بھی اسی پر عمل پیرا رہے۔

۴- حدیث اور فقہ کے بہت سے مسلم ائمہ نے لکھا ہے کہ حضورؐ سے کبھی قربانی کا ترک کرنا منقول نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ سفر اور حضر دونوں حالتوں میں آپ قربانی پابندی سے ادا کرتے تھے۔ اس حقیقت کے لیے یہاں صرف اندلس کے مشہور اسلامی فقیہ اور فلاسفر ابن رشد کی تحقیق درج کی جاتی ہے جو انہوں نے قائلین وجوب کی طرف سے پیش کی ہے۔

انہ لم یترک صلی اللہ علیہ وسلم الضحیۃ قط فیما روی عنہ حتّٰی فی السفر علی ما جاء فی حدیث ثوبان، قال ذبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحیتہٗ ثم قال یا ثوبان! اصلح لحم ھذہٖ

بلا شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قربانی ترک نہیں فرمائی۔ جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔ یہاں تک کہ سفر میں بھی نہیں چھوڑی، چنانچہ حدیث ثوبان میں ہے وہ کہتے ہیں: حضورؐ نے اپنی قربانی ذبح کی۔ پھر فرمایا اے ثوبان! اس

الضحية، قال فلم ازل اطعمه منها، حتى اقام المدينة ۔	قربانی کے گوشت کو تیار کرکے محفوظ رکھنے کے طریقے سے) رکھ لو۔ ثوبان کہتے ہیں پس میں اس گوشت میں سے حضورؐ کو کھلاتا رہا حتیٰ کہ آپ مدینہ واپس پہنچے
(بدایۃ المجتہد ابن رشد ص ۳۴۸)	

امام ابوجعفر طحاوی نے بھی اپنی کتاب "شرح معانی الآثار" میں قربانی کے مسائل سے بحث کرتے ہوئے اسی بات کو نقل کیا ہے [۱]

ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کی نگہ میں قربانی کی کتنی اہمیت تھی۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر، ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ فقہائے احناف کا مسلک، قربانی کے مسئلے میں نہایت محتاط اور اقرب الی الحق معلوم ہوتا ہے۔

دلائل وجوب : (قرآن حکیم سے)

قرآن حکیم میں قربانی کا ذکر کئی مقامات پر موجود ہے مگر یہاں صرف ان آیات سے بحث کی جائے گی جن میں قربانی کے ضروری ہونے کی دلالت پائی جاتی ہے۔

سورۂ انعام میں قرآن مشرکین مکہ کی جاہلانہ قربانیوں اور جانوروں کے بارے میں ان کی مشرکانہ رسموں کا ذکر کرتا ہے اور سورت کے آخر میں چل کر یہ فرماتا ہے :

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ	آپ فرما دیجئے کہ بے شک میرے پروردگار نے مجھے سیدھی راہ دکھا

---

[۱] شرح معانی الآثار طحاوی ج ۲ ص ۳۰۷

إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ ١٦١ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ ١٦٢ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ○ ١٦٣

الانعام
(۱۶۱ - ۱۶۳)

رکھی ہے مضبوط دین، حضرت ابراہیم کی ملّت، جو اللہ کے مخلص تھے اور مشرک نہ تھے ○ ۱۶۱ فرما دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے ○ ۱۶۲ اس کا کوئی ساجھی نہیں مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں (اللہ کے حکم کی) فرمانبرداری کرنے والوں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔

آیت ۱۶۱ میں بتایا ہے کہ پیغمبر اسلام ملت حنیفہ براہیمیہ کے پیروکار ہیں۔ آیت ۱۶۲ میں واضح کیا ہے کہ نماز اور قربانی ملت ابراہیمی کے بنیادی رکن ہیں اور آیت ۱۶۳ میں اس نظام پر کاربند رہنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا نماز اور قربانی ملت ابراہیمی کے اجزا ہونے کی حیثیت میں ہر اس شخص کے لیے ضروری ہیں جو اسلام کے نظام پر عمل کرنا چاہتا ہو۔

بعض لوگ اس آیت میں لفظ 'نسکی' سے مطلق عبادت مراد لیتے ہیں۔ اس صورت میں آیت کا معنی یوں ہو گا۔ میری نماز اور میری عبادت اللہ کے لیے ہے۔ مگر اس سورت کا سابقہ مضمون قربانی کے ذکر پر مشتمل ہے لہذا یہاں قربانی کا مراد ہونا ہی درست قرار پا سکتا ہے یعنی مشرکین نے قربانی میں مشرکانہ رسوم داخل کر لی ہیں (جن کا ذکر اسی سورت انعام میں کیا جا رہا ہے) مگر اہل اسلام کا اعلان یہ ہے کہ ہماری قربانی خالصۃً اللہ ہی کے لیے ہے۔ لہذا دین ابراہیمی پر چلنے والے یہی لوگ ہیں۔

اس طرح یہ آیت اہل اسلام کے لیے قربانی کے ضروری ہونے پر نہایت واضح دلالت کرتی ہے۔

۲۔ سورۂ حج میں قرآن حکیم قربانی کے مسئلے پر مفصل روشنی ڈالتا ہے۔ اور گو زیادہ ذکر حاجیوں کی قربانی (ھدی) کا کیا ہے۔ تاہم ان ہی آیات میں قربانی کا عام حکم بھی بیان فرمایا ہے۔ دیکھیے سورۂ حج کی یہ آیت:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

(حج ۳۴)

اور ہم نے ہر گروہ کے لیے قربانی مقرر کی، تاکہ وہ اللہ کے عطا کردہ مویشیوں پر اللہ کا نام لیں (اللہ کے نام پر ذبح کریں) پس تمہارا معبود، خدائے واحد ہی ہے۔

اس آیت میں امت سے مراد ہر مومن گروہ ہے اور منسک کا معنیٰ قربانی ہے امام قرطبی لکھتے ہیں۔

فلکل امۃ مومنۃ جعلنا منسکا والمنسک الذبح واراقۃ الدم قال مجاھد. یقال نسک اذا ذبح...... والذبیحۃ نسیکۃ.

(تفسیر قرطبی ج ۱۲۔ ص ۵۸)

اور ہم نے ہر مومن گروہ کے لیے منسک مقرر کیا ہے! ور منسک ذبح کرنا اور خون بہانا ہے۔ حضرت مجاھد نے یہی فرمایا ہے عربی میں نسک ذبح کے لیے بولا جاتا ہے اور ذبیحہ کے لیے نسیکہ۔

آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے ادیان میں ہر مومن قوم پر قربانی مقرر کی جاتی رہی ہے۔ لہٰذا اہل اسلام پر بھی قربانی مقرر کی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ آیت بھی

قربانی کے لازم ہونے کی دلیل بنتی ہے ۔

۳۔ قرآن حکیم سے قربانی کے واجب ہونے کے لیے تیسری دلیل سورۂ کوثر کی آیت کریمہ ہے ۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○ (کوثر)	ہم نے آپ کو کوثر (جملہ خیر کثیر) عطا کیا۔ پس اپنے پروردگار کے لیے ہی نماز پڑھیں اور اسی کے لیے قربانی ادا کریں۔ بے شک آپ کا دشمن ہی بدانجام ہے ۔

اس سورت میں نحر کے معنی کے لیے مختلف اقوال پیش کیے جاتے ہیں لیکن تحقیق یہی ہے کہ اس سے مراد قربانی ہے۔ محققین اہل تفسیر نے اس سورت پر اعلیٰ گفتگو کی فرمائی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت قربانی کے وجوب کی نہایت واضح دلیل ہے یہ وہ آیات تھیں جن سے قربانی کے واجب ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا ان مذکورہ حقائق کے پیش نظر قربانی کے مسئلے میں فقہائے احناف کا مسلک ہی اقرب الی الحق معلوم ہوتا ہے۔

؎ ان آیات کی تحقیقی مفصل بحثیں اس کتاب کی فصل "قرآن میں قربانی" میں درج ہیں۔

وجوب کا اصلاحی مفہوم

قربانی کے متعلق فقہاء کی اختلافی ابحاث کا ایک ضروری پہلو یہ بھی ہے کہ فرض، واجب اور سنت وغیرہ کی اصطلاحات بھی ان حضرات کے ہاں مختلف مفہوم رکھتی ہیں۔ بعض سرسری نظر رکھنے والے لوگ یہ فرق ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے فقہا کی رائے کو کما حقہٗ نہیں سمجھ سکتے۔ ہم قربانی کے مسئلے پر مکمل روشنی ڈالنے کے لیے ان اصطلاحات کا فرق بھی قارئین کے سامنے رکھتے ہیں۔

گذشتہ سطور میں بتلایا جاچکا ہے کہ قربانی کے متعلق فقہا میں اختلاف ہے بعض نے اسے واجب کہا ہے اور بعض نے سنّت۔ اب اس بحث کا ایک گوشہ یہ ہے کہ جن کے ہاں قربانی واجب ہے وہ واجب کا مفہوم کچھ اور لیتے ہیں اور جنھوں نے قربانی کو واجب نہیں کہا ان کے نزدیک واجب کی تعریف (DEFINITION) دوسری ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فقہائے حنفیہ ان عبادات و احکام کو واجب کہتے ہیں۔ جن کی تاکید شرع میں بہت کی گئی ہو۔ لیکن وہ فرض کے درجے سے کم ہوں یعنی احناف کے نزدیک فرض کا دائرہ الگ ہے اور واجب کا الگ۔ چنانچہ فرض اور واجب کی تعریفیں حنفی اصول کے مطابق یہ ہیں :

فرض :

الفرض ما ثبت بدلیل قطعی لا شبھۃ فیہ، کالصلوٰۃ الخمس	فرض وہ ہے جو دلیل یقینی سے ثابت ہو جس میں شبہ نہیں ہوتا جیسے نماز پنجگانہ

وحکمہ انہ لازم عملاً واعتقاداً فاذا انکرہ احد کفر، واذا ترکہ ولم یعملہ کان فاسقاً

(الفقہ علی المذاہب ص ۱۱۵)

اور فرض کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ عمل اور اعتقاد دونوں کے لحاظ سے لازم ہوتا ہے اگر کوئی فرض کا انکار کردے تو وہ کافر ہے اور اگر ترک کرے تو فاسق ۔

واجب :

الواجب غیر الفرض، وھو ما ثبت بدلیل فیہ شبھۃ و حکمہ انہ لازم عملاً، لا اعتقاداً فمنکرہ لا یکفر لقیام الشبھۃ، وتارکہ یأثم اثما اقل من اثم الفرض

(ص)

واجب فرض کے علاوہ وہ چیز ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اور اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ واجب عمل کی رُو سے لازم ہے، نہ کہ اعتقاداً چنانچہ اس کا منکر کافر نہیں قرار دیا جاتا کہ شبہ قائم ہوتا ہے اور اس کا تارک گنہ گار ہوتا ہے مگر فرض سے گنہ گار سے کم ۔

فرض اور واجب کی ان تعریفوں کی رُو سے احناف نے قربانی کو واجب کہا ہے یعنی اس کی شرعیت میں تاکید تو بہت ہے مگر وہ درجۂ فرضیت سے کم ہے ۔

اب اس کے بعد فرض اور واجب کی وہ تعریف دیکھیے جو فقہائے شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ نے کی ہے ۔ دیکھیے شافعی اصول کے مطابق، واجب کی تعریف یہ ہے :-

واجب :

الواجب والفرض بمعنیً واحدٍ

واجب اور فرض کا مفہوم ایک سا ہے

وھومایثاب فاعلہ علیٰ فعلہ ویعاقب علیٰ ترکہ کالصلاۃ المفروضۃ فان فاعلھا یُثاب وتارکھا یعذب یا لنار (الفقہ علی المذاہب ص۶۱۳)	اور وہ یہ ہے کہ کرنے والا ثواب کا مستحق ہے اور چھوڑنے والا عذاب کا۔ جیسے کہ فریضہ نماز۔ پس اسے ادا کرنے والا ثواب پاتا ہے اور تارک کے لیے جہنّم کا عذاب"

معلوم ہوا کہ حنفی فقہ میں واجب فرض سے الگ ایک درجہ ہے لیکن شوافعی فقہ میں واجب بعینہ فرض ہوتا ہے یعنی جو چیز فرض ہو اسی کو واجب کہہ سکتے ہیں۔ یہی اصول مالکی اور حنبلی فقہا کے ہاں بھی مسلّم ہے۔ مالکی فرماتے ہیں :

الواجب مایثاب علیٰ فعلہٖ ویعاقب علیٰ ترکہ، ویسمّٰی فرضاً ولازماً، کالصلاۃ المفروضۃ (ر ر ص ۶۱۳)	واجب وہ ہے جس کے کرنے پر ثواب ہوتا ہے اور ترک پر عقاب اور واجب کا نام فرض اور لازم بھی ہوتا ہے جیسے کہ فریضۂ نماز "۔

یہی تعریف ائمہ حنابلہ نے فرمائی ہے :

الفرض مایثاب علیٰ فعلہ و یعاقب علیٰ ترکہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الواجب ھو کالفرض (ص ۶۱۴)	فرض ہے، جس کے کرنے پر ثواب اور ترک پر عقاب اور واجب فرض کی طرح ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف فقہ حنفی میں واجب کو فرض سے الگ ایک مستقل حکم کی حیثیت دی گئی ہے اور باقی تینوں مذاہب میں، واجب اور فرض کو بالکل ایک چیز قرار دیا گیا ہے۔ لہذا اصطلاح کے اس اختلاف کا اثر یہ

ہو گا کہ جو شرعی حکم فرض کے درجے پر ثابت ہو گا اُسے تو تمام فقہاء فرض کہنے میں متفق ہوں گے لیکن جب ایک ایسا شرعی حکم سامنے آئے جس میں فرض جیسی قطعیت نہ ہو تو وہاں احناف واجب کی اصطلاح (TERM) استعمال کریں گے لیکن باقی تینوں ائمہ ایسی چیز کو جو فرض کے درجے سے ذرا کم ہو ہرگز "واجب" سے تعبیر نہ کریں گے کیونکہ ان کے نزدیک "واجب" کی اصطلاح صرف فرض پر ہی بولی جا سکتی ہے۔ گویا فرض اور واجب ان کے ہاں مترادف ہیں۔ اب قربانی کا مسئلہ بھی بالکل یہی صورت رکھتا تھا کہ گو اس کی تاکید اور لزوم بہت سی آیات و احادیث سے معلوم ہے۔ تاہم اسے فرضیت کا مقام نہیں دیا گیا ہے بلکہ فرض سے کچھ کم درجہ مانا گیا ہے اب اس درجے کی عبادات پر حنفی فقہ واجب کا لفظ بولتی ہے لیکن شافعی، مالکی اور حنبلی ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ صرف فرض قطعی پر ہی واجب کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احناف نے قربانی کو واجب کہا اور باقی ائمہ نے غیر واجب۔

اب سوال یہ ہے کہ تینوں مسالک میں آخر ان احکام و عبادات کو کس اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے جو مذکورہ بالا حیثیت کی حامل ہوتی ہیں یعنی ان کی تاکید اور پابندی پر دلائل شرعیہ موجود ہوں مگر وہ درجۂ فرضیت و قطعیت تک نہ پہنچتے ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مالکی، شافعی اور حنبلی فقہائے کرام ایسی چیزوں پر لفظ **سنّت** کا اطلاق کرتے ہیں۔ چنانچہ وتر کی نماز اور عیدین کی نمازوں کو بھی ان حضرات نے "سنت" ہی کہا ہے[1] حالانکہ وتر اور نماز عید کے ضروری اور مؤکد ہونے میں کوئی جھگڑا نہیں۔ لیکن ان فقہاء کا اصول ہی یہ ہے کہ فرض کے بعد اور کسی چیز پر

---

[1] الفقہ علی المذاہب ص ۶۱۴

لفظ واجب کا اطلاق نہیں کرتے۔

اس وضاحت کے بعد قربانی کے متعلق ائمہ کے اختلاف رائے سے پیدا ہونے والی کئی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں یعنی ائمہ فقہائے ثلثہ نے قربانی کو واجب نہیں کیا۔ تو اس کی بنیادی وجہ ان کا اصطلاحی اختلاف ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی ہمیں لفظ سنت کا وہ مفہوم بھی معلوم ہونا چاہیے جو ان فقہاء کے ہاں مسلّم ہے دیکھیے مالکی اصول کے مطابق سنت کی تعریف :

السنة هي ما طلبه الشارع و أكد امره و عظم قدره و اظهره في الجماعة ...... و ذلك كالوتر و صلاة العيدين . (الفقه علی المذاہب الاربعہ ص ۶۱۴)	سنت وہ امر ہے جس کا شریعت (بندوں سے) مطالبہ کرے اس کی تاکید کرے اس کی قدر و منزلت کی تعظیم کرے اور اسے اجتماعی رنگ میں ظاہر کرے۔ مثلاً نماز وتر اور نماز عیدین۔

حنبلی کہتے ہیں :

السنة تنقسم الى موكدة و غير موكدة فالموكدة كالوتر (الفقه .. .. ..)	سنت کی دو قسمیں ہیں، مؤکدہ اور غیر مؤکدہ پس مؤکدہ کی مثال نماز وتر ہے۔

سنت کی یہ تعریف جو ان فقہاء نے کی ہے۔ اس امر کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ شریعت کے یہ سنت سے ضروری احکام، جن کی تاکید و عظمت کے دلائل موجود ہوں۔ مگر وہ فرضیت اور قطعیت کے مقام پر نہ ہوں تو ان کے لیے یہ فقہاء لفظ سنت ہی استعمال کریں گے مگر حنفی فقہ میں ایسے احکام کے لیے واجب کی اصطلاح بولی جاتی

ہے لہذا یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ چیز جس کے لیے فقہائے ثلاثہ سنّت کا لفظ بولتے ہوں وہ ان کے نزدیک اختیاری اور غیر ضروری حیثیت رکھتی ہو۔ اور اس کی وضاحت کے لیے نماز وتر اور نماز عید کو سامنے رکھیے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ نے گو اپنے اصطلاحی قاعدے کی بنا پر قربانی کو سنت ہی سے تعبیر کیا ہے مگر ساتھ ہی یہ صراحت بھی کی ہے کہ وہ ترک قربانی کی اجازت نہیں دیتے۔ دیکھئے موطا امام مالک صفحہ ۱۸۹۔ اور کتاب الامّ شافعی ج ۲ صفحہ ۱۸۷ ؎

قربانی پر شرعی حدبندیاں :

آجکل بعض مسلمان کہتے ہیں کہ قربانی بہت کثیر تعداد میں ہوتی ہے جس سے جانوروں کی نسل افزائی پر اثر پڑتا ہے لہذا حکام کو قربانی پر کوئی حدبندی عاید کرنی چاہیے تاکہ اندھا دھند جانور ذبح نہ کیے جائیں۔ اس چیز کے متعلق یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ قربانی کے متعلق خود شریعت کا بھی یہ حکم نہیں کہ ہر شخص ہر حالت میں ہر قسم کے جانور کی قربانی کردے بلکہ شارع نے قربانی پر کئی قسم کی پابندیاں خود عاید کردی ہیں چونکہ شریعت نے قربانی کی حدبندی اپنی طرف سے متعین کردی ہے۔ لہذا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم اپنی طرف سے کوئی مزید پابندی قربانی پر نافذ نہیں کرسکتے۔

نیز اگر غور کیا جائے تو شریعت کی عاید کردہ پابندیوں پر عمل درآمد کے بعد کسی خودساختہ نئی پابندی کی ضرورت باقی ہی نہیں رہتی۔ اب یہاں ان حدبندیوں کا ذکر

؎ ان مقامات کی عبارتیں پیچھے صفحہ ۔۔ پر گذر چکی ہیں۔

کیا جاتا ہے جو شریعت نے قربانی پر عاید کی ہیں :

۱۔ پہلی حد بندی یہ ہے کہ قربانی ہر امیر و غریب پر لازم نہیں' قربانی صرف با حیثیت افراد پر ہے۔ اور با حیثیت کی تشریح یہ ہے کہ آدمی اپنے مسکن' لباس اور ضروریات زندگی کے علاوہ حد نصاب[۱] یا اتنی مالیت کے کسی مال کا مالک ہو۔ اگر زمیندار ہے تو سال بھر کا راشن ڈال لینے کے بعد زمیندار کی پیداوار حد نصاب تک پہنچتی ہو۔ تو قربانی لازم ہے ورنہ نہیں۔ یہ احناف نے بیان کیا ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۴۹۵)

۲۔ دوسری حد بندی یہ ہے کہ قربانی صرف ان لوگوں پر لازم ہے جو عید قربان کے دنوں میں اپنے وطن میں مقیم ہوں۔ مسافروں پر قربانی نہیں۔ احناف لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قربانی کے لیے جانور خرید لیا تھا۔ مگر وہ ایام قربانی سے پہلے سفر پر چلا گیا۔ تو اس حالت میں بھی قربانی ضروری نہ رہی۔ حتیٰ کہ اگر قربانی کے دن آ چکے تھے مگر اس نے ابھی جانور ذبح نہیں کیا' اور سفر در پیش آ گیا' تو بھی حالت سفر معتبر ہو گی۔ لہذا ان دونوں صورتوں میں جانور کو بیچ دینا جائز ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ر ر)

۳۔ تیسری حد بندی یہ ہے کہ حاجی[۲] پر بھی قربانی لازم نہیں۔ یہ فقہائے مالکیہ نے کہا ہے۔ حنفی فقہ میں اگر حاجی دوسرے ملک کا ہے تو قربانی لازم نہیں۔ اگر مکہ ہی میں مقیم ہو اور حج کر رہا ہو تو اس پر قربانی ضروری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حاجیوں کی عظیم

---

[۱] یہ نصاب وہی ہے جو زکوٰۃ کے لیے رکھا گیا ہے۔

[۲] حج کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ حج مفرد ۲۔ حج تمتع ۳۔ حج قران۔ پہلی صورت میں جو عام لوگ اختیار کرتے ہیں حاجی پر کسی قسم کی کوئی قربانی لازم نہیں ہوتی۔ پچھلی دو صورتوں میں حج کی قربانی یعنی ھدی ضروری ہوتی ہے یہ عیدالاضحیٰ کی قربانی نہیں ہوتی۔

اکثریت باہر سے آنیوالی ہوتی ہے اور ان پہ مالکی اور حنفی فقہاء دونوں کے نزدیک قربانی نہیں
یہاں اس بات کا خیال رہے کہ ہم عیدالاضحیٰ کی قربانی سے بحث کر رہے ہیں۔ حاجی پہ
حج کی بعض مخصوص صورتوں میں جو جانور ذبح کرنا لازم ہوتا ہے اس کا حکم الگ ہے۔
اور اس کا نام ھدی ہے۔

۴۔ قربانی کے لیے چوتھی شرط فقہاء حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان
فرمائی ہے کہ قربانی بالغ مرد پر ضروری ہوتی ہے نابالغ بچوں پہ نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر
کسی بچے کے پاس اس کا موروثی سرمایہ ہے تو اس کے ولی (GUARDIAN) کے
ذمے لازم نہیں کہ اس بچے کی طرف سے اس کے مال میں سے قربانی کرے امام شافعی رحمۃ
اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (الفقہ ج ۱ ص ۵۹۵)

۵۔ پانچویں قید عاقل ہونا اور آزاد ہونا ہے گویا مجنوں اور غلام پر قربانی واجب نہیں

قربانی پہ حد بندیوں کی ایک اور نوعیت یہ ہے کہ شریعت نے ان جانوروں کے لیے
بھی کچھ شرطیں عاید کی ہیں جن کی قربانی کی جاتی ہے اور ان کی تفصیل یہ ہے:

۶۔ قربانی کے جانوروں کے لیے شریعت نے عمر کی حدیں قائم کی ہیں۔

بکری۔۔ ۔۔ ۔۔ ایک سال سے کم ہو تو قربانی نہیں ہو سکتی۔
گائے بھینس۔ ۔۔ ۔۔ دو 〃 〃 〃 〃 〃 〃
اُونٹ۔ ۔۔ ۔۔ پانچ سال 〃 〃 〃 〃 〃 〃

نوٹ:۔ یہ مسلک فقہاء حنفیہ کا بیان ہوا ہے دیگر فقہاء نے اس میں جو مزید تحدید
کی ہے وہ یہ ہے:

شافعی : بکری ... پورے دو سال کی ہو تو قربانی میں جائز ہے
مالکی : بکری ... ایک سال گزر چکا ہو اور دوسرے سال میں عمر چل رہی ہو
" گائے ... پورے تین سال کی ہو چکی ہو تو قربانی میں جائز ہے۔

(الفقہ ج ۱ ص ۹۵ — ۵۹۶)

" اونٹ ... چھ سال کا ہو تو قربانی میں جائز ہے۔

(محلّی علیٰ موطا، ص ۱۸۷)

۷۔ شریعت کی حد بندیوں میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ جو جانور عظیم الجثہ (بڑے جسم والے) ہیں مثلاً گائے بھینس اور اونٹ۔ ان میں شریعت نے یہ گنجایش رکھی ہے کہ ایسا ایک جانور سات مختلف آدمیوں کی طرف سے قربانی کیا جا سکتا ہے۔ گویا سات جانوروں کی بجائے ایک ہی جانور سات قربانیوں کا حکم رکھتا ہے۔

۸ قربانی پر شرعی حد بندیوں کی ایک نوعیت یہ بھی ہے کہ شریعت میں قربانی کے جانوروں پر صحت اور عمدگی کے لحاظ سے بھی کچھ قیود عاید کی گئی ہیں۔ مثلاً فقہائے احناف نے اس سلسلے میں حسب ذیل جانوروں کو قربانی سے مستثنیٰ بیان کیا ہے۔
۱۔ جو جانور لنگڑا ہو۔ ۲۔ جس کا سینگ مغز تک ٹوٹا ہوا ہو۔ ۳۔ جس جانور کا کان ایک تہائی سے زاید کٹا ہو۔ ۴۔ یہی حکم دُم اور چکی کا ہے۔ ۵۔ جس کے اکثر دانت ٹوٹے ہوئے ہوں۔ ۶۔ جس کے پیدائشی کان نہ ہوں۔ ۷۔ جس کی پیدائشی چکی نہ ہو وغیرہ (الفقہ ص ۵۹۶)
اوپر جن جانوروں کو قربانی سے مستثنیٰ بیان کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ یہ دوسرے فواید (مثلاً دودھ اور اُون یا بار برداری وغیرہ) کے لیے بدستور موزون ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت نے قربانی کے جانوروں پر اس قسم کی قیود عاید کر کے مفید جانوروں کی

بہت بڑی تعداد کو قربانی سے محفوظ کر دیا ہے۔

نوٹ :۔ یہ مذکورہ قیود، فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔ مالکی فقہائے کرام کے بیان کے مطابق درج ذیل جانور بھی قربانی سے مستثنیٰ ہیں۔

۱۔ جس جانور کے بدن سے کوئی حصہ (خواہ یہ حصہ پیدائش میں اصلی ہو یا زائد جیسے زائد ٹانگ وغیرہ) کٹا ہو۔ (۲) جس کے کان بہت چھوٹے ہوں۔ (۳) جس کی دم نہ ہو خواہ پیدائشی نہ ہو خواہ بعد میں کٹی ہو۔ ۴۔ جس جانور کے منہ سے بو آتی ہو۔ ۵۔ جس کا کان ایک تہائی سے زیادہ چرا ہوا ہو۔ ۶۔ دو یا دو سے زاید دانت ٹوٹے ہوں۔ ۷۔ ایک تہائی دم کٹی ہو۔ ۸۔ جو جانور جنگلی اور پالتو جانوروں کی مخلوط نسل سے ہو۔ (الفقہ ص ۹۵-۵۹۶)

اسی طرح فقہائے شافعیہ نے مندرجہ ذیل جانوروں کی قربانی کی اجازت نہیں دی ہے
۱۔ جس کی آنکھ پر سفید داغ نمایاں نظر آتا ہو۔ ۲۔ ذرا سا لنگڑا جانور جو چلنے میں دوسروں سے پیچھے رہ جاتا ہو۔ ۳۔ خواہ تھوڑا سا کان کٹا ہو۔ (الفقہ ۹۶-۵۹۷)

ان تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شارع نے خود قربانی کے مسائل میں کئی طرح کی شرطیں اور حدیں قائم کر کے جانوروں کی ایک کثیر تعداد کو قربانی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے متعلق جو موزوں حدبندی ہو سکتی تھی وہ شریعت میں پہلے ہی کی جا چکی ہے اس کے بعد اب اگر کسی دور کے مسلمانوں کے دماغوں میں شریعت کے مسائل میں نئی حدبندیاں جاری کرنے کا شوق سما جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ سابقہ شریعت کو چھوڑ کر کوئی نئی شریعت ایجاد کرنا چاہتے ہیں۔

قربانی کا بدل قربانی کی قیمت سے؟

گذشتہ سال کسی صاحب نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے کی بجائے اگر اس کی قیمت کسی فنڈ میں بطور خیرات دے دی جائے تو یہ بھی شرعاً درست ہے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل دو دلیلیں پیش کی تھیں:

۱۔ سورۂ بقرہ میں حج کی بعض صورتوں میں جس قربانی کا ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ روزوں یا مالی خیرات سے اس کا بدل بھی بیان کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ قربانی کا بدل دوسری صورتوں کے ساتھ جائز ہے۔

۲۔ دوسری دلیل وہ ہدایہ کی اس عبارت کو قرار دیتے ہیں:

التضحیۃ فیھا افضل من التصدق بثمن الاضحیۃ (ہدایہ ج ۴ ص ۴۳۰)	قربانی کے دنوں میں قربانی ذبح کرنا قربانی کی قیمت خیرات کرنے سے بہتر ہے۔

یہاں ان کا استدلال یہ ہے کہ گو جانور ذبح کرنا افضل ہے مگر معلوم ہوا کہ پیسے خیرات کرنے سے بھی قربانی ادا ہو جاتی ہے۔

اس قسم کے دلائل پہ یا تو وہ شخص اعتماد کر لیتا ہے جس کی نظر کسی مسئلے کے بارے میں بالکل سطحی اور سرسری ہو اور یا پھر وہ شخص ایسی چیزیں پیش کرتا ہے جس نے دل سے قسم کھالی ہو کہ اپنی بات کی پچ کے لیے کچھ نہ کچھ نکالنا ضرور ہے۔ پہلی دلیل کی حیثیت کو سمجھنے کے لیے سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت پر نظر ڈالیے۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ	پس اگر تم روک دیے جاؤ تو جو ھدی (جانور)

الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ج (البقرہ ۱۹۶)

میسر آئے ادا کرو اور اپنے سر نہ منڈھواؤ حتیٰ کہ جانور اپنے مقام کو پہنچے۔ پس جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو (سر مونڈھوائے اور) فدیہ ادا کرے روزوں، خیرات یا قربانی کے ساتھ۔

یہاں تین باتیں مذکور ہوئی ہیں: ۱۔ جب حاجی راستے میں روک دیا جائے تو وہ قربانی کے لیے ایک جانور حرم کی طرف بھیج دے۔ ۲۔ جب تک یہ جانور اپنے مقام پر پہنچ کر ذبح نہ کر دیا جائے وہ حاجی سر کے بال وغیرہ نہیں مونڈھ سکتا۔ ۳۔ اگر اس کے سر میں کوئی عذر پیدا ہو جائے کہ بال مُنڈھوانے کی ضرورت شدید ہو جائے تو بال منڈھوا لے مگر اس کا فدیہ تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے ادا کرے (الف) روزے (ب) خیرات (ج) قربانی

یہاں پہ یہ بات خیال میں رکھنی ہے کہ محصر حاجی کے لیے جو قربانی (ھدی) قرآن نے لازم کی ہے اس کا کوئی بدل بیان نہیں فرمایا۔ اور نہ اس میں بدل کی اجازت ہے بلکہ اس قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے وہ سر کے بال تک نہیں مونڈھ سکتا اس کے بعد پھر مجبوری کی حالت کا مسئلہ بیان کیا۔ کہ اگر سر مونڈھنا پڑ جائے، تو اس کا فدیہ دینا لازم ہو گا اور اس فدیے کی تین صورتیں ہیں۔ روزے، صدقہ، قربانی۔

معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اس فدیے کا بیان ہو رہا ہے جو قانون حج کی خلاف ورزی پر لازم آتا ہے مگر چونکہ اس میں ایک صورت جانور ذبح کرنے کی بھی مذکور تھی اس لیے اس کو دلیل بنا لیا گیا۔ کہ قربانی کا بدل روزے اور صدقے سے ہو سکتا ہے اور ہر جگہ ہو سکتا ہے حالانکہ اگر یہ بات درست ہوتی تو اسی آیت کے شروع میں قرآن حکیم محصر حاجی کی قربانی کے لیے بھی یہ بدل بیان فرماتا۔ مگر یہاں قرآن نے قربانی کے جانور کو ہی لازم قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ بدل کا مسئلہ صرف فدیے کی اسی خاص

پھر اگر اس فدیے میں روزہ، صدقہ اور قربانی تین متبادل چیزیں رکھ دینے سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ قربانی کے بدل کی اجازت ہے تو پھر یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ ہر روزے کا بدل صدقے اور قربانی سے دیا جا سکتا ہے اور ہر صدقے کی جگہ قربانی یا روزے رکھے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا رمضان میں لوگ کچھ خیرات کر کے روزوں سے پیچھا چھڑا لیا کریں۔ اور زکوٰۃ و صدقہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ایک آدھ روزہ رکھ لیا کریں۔ اللہ اللہ خیر سلّا! یہ ہے اس استدلال کی حقیقت جسے بڑے فخر کے ساتھ قربانی کا بدل جائز ثابت کرنے کے لیے اسلام کی تاریخ میں پہلی بار پیش کیا گیا ہے۔

سورۂ بقرہ میں اسی آیت کا باقی حصہ یہ ہے اسے بھی یہاں بیان کر دیا جاتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس ٹکڑے سے بھی دلیل کھینچی جاتی ہو۔

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط

(البقرہ ۱۹۶)

جو شخص حج اور عمرے کو ملا کر ادا کرے پس وہ قربانی (ہدی) ادا کرے جو اُسے میسّر آئے مگر جو شخص قربانی نہ پائے سو وہ تین دن کے روزے ایام حج میں رکھے اور سات دن کے جب گھر لوٹو۔ یہ دس پورے ہیں۔

یہاں شاید یہ کہا جائے کہ دیکھیے قرآن نے قربانی کے بدل میں دس روزے رکھنے کی اجازت دی ہے۔ مگر یہ پھر وہی بے تکی بات ہوگی۔ کیونکہ قرآن حکیم نے یہاں قربانی کا بدل نہیں بیان کیا۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ حاجی مذکور اگر جانور خریدنے کی استطاعت رکھتا ہے تو جو جانور اسے میسّر آئے اس کی قربانی کرے لیکن اگر اس میں جانور حاصل کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو پھر وہ روزے رکھے دیکھیے قرآن کے الفاظ ہیں:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ .... | پس جو قربانی نہ پاسکے سو روزے ....

غرضیکہ قرآن نے یہ نہیں فرمایا کہ جو چاہے قربانی دے اور جو چاہے روزے رکھ لے بلکہ قربانی کی گنجائش نہ ہونے کی صورت میں حاجی مذکور کے لیے روزے رکھنے کا مسئلہ بیان کیا ہے اور اگر اسی صورت کو آپ بدل کہنا چاہتے ہیں تو ہم یہ بھی کہہ دیں گے کہ یہ روزوں کا رکھنا بھی صرف حاجی مذکور کے لیے ہے ورنہ جو مسلمان حج پہ نہیں اور وہ قربانی کی حیثیت اور طاقت نہیں رکھتا تو اس کے ذمے نہ قربانی ہے اور نہ قربانی کا کوئی بدل۔

ان کی دوسری دلیل صاحب ہدایہ کی مذکورہ عبارت ہے۔ مگر اس میں اپنی طرف سے ایک معنی داخل کر کے پھر اس معنی کو صاحب ہدایہ کی طرف منسوب کیا جارہا ہے کیونکہ ہدایہ میں اتنی بات تو ہے کہ "ایام نحر میں قربانی ذبح کرنا، قربانی کی قیمت کے صدقے سے بہتر ہے" لیکن اس کا مطلب یہ نکالنا کہ قربانی کی قیمت خیرات کرنے کی اجازت ہے اور یہ قربانی کا بدل بن سکتا ہے محض اپنے خیالات کے پیرو میں عبارت کا الٹا مطلب اخذ کرنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر دو چیزوں کے درمیان فضلیت اور شرف کی نسبت کا ذکر کیا جائے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ادنیٰ چیز اعلیٰ چیز کے قائم مقام بھی بن سکتی ہے مثلاً یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ فرض نماز، نفل نماز سے افضل ہے اب یہ بات فضلیت کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں نکلتا کہ کبھی نفل نماز فرض نماز کا بدل اور قائمقام بن سکتی ہے اسی طرح یہ بھی کہنا ٹھیک ہے کہ رمضان کے فرض روزے نفلی روزوں سے بہتر اور اعلیٰ ہیں مگر اس کا بھی یہ مطلب قطعاً نہیں ہو سکتا کہ نفلی روزے فرضی روزوں کا بدل قرار دیے جائیں۔

۱۔ اسی طرح کے الفاظ تیمم کے بیان میں بھی آئے ہیں فان لم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً پس اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کر لو۔" تو کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جائیگا کہ مٹی ہر حالت میں پانی کا بدل ہے کہ جب چاہا تیمم کر لیا۔ ظاہر ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب پانی نہ مل سکے تو مٹی پر تیمم کرو۔ اسی طرح زیر گفتگو آیت کا مفہوم بھی بالکل صاف ہے کہ جب حاجی مذکور قربانی کے جانور کی استطاعت اور گنجایش نہ رکھتا ہو تو وہ دس روزے رکھے۔

دراصل افضلیت کا تصوّر صرف اتنا ہے کہ کوئی سی دو عبادتوں کے متعلق یہ دیکھا جائے کہ ز
فضیلت اور رتبہ و درجہ کے لحاظ سے کس کا مقام اعلیٰ ہے۔ باقی حکم اور تاکید کے لحاظ سے
میں جو ان کی حیثیت ہے افضلیت کے بیان سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ہی ایک
عبادت کا دوسری عبادت سے بدل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ایمان عمل
افضل ہے ۔نماز زکوٰۃ سے افضل ہے وغیرہ۔ اب ان فقروں کا نہ تو یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے
بس ایمان ہی کافی ہے عمل کی کیا ضرورت ہے اور نماز ہی پڑھتے رہو زکوٰۃ دینے کی کیا ح
ہے۔ اور نہ یہ کہ ایمان گو عمل سے فضل ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ عمل ایمان کا بدل بن سکتا
اور نماز گو زکوٰۃ سے بہتر ہے مگر نماز کی بجائے بھی زکوٰۃ ہی ادا کر لینا جائز ہے بلکہ ا
چیزوں کو اپنی اپنی شرعی حیثیت کے مطابق تسلیم کرتے ہوئے صرف نسبتہً ان کے شر
اور رُتبہ کا اظہار مراد ہوتا ہے۔

مزید برآں، خود ہدایہ کے بعض الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افضلیت نفلی قربانی ا
نفلی خیرات کے درمیان بیان کی جا رہی ہے کیونکہ مصنف نے اس مسئلے کو طواف اور نم
کے مسئلے سے تشبیہ دی ہے۔ دیکھیے :

فنزلت منزلة الطواف والصلوٰة فی حق الآفاقی (ہدایہ ج ۴ - ص ۴۳۰)	چنانچہ یہ مسئلہ باہر سے آنے والے حا کے حق میں طواف اور نماز کے مسئلے طرح ہے۔

اب یہ طواف اور نماز کا مسئلہ[1] یوں ہے کہ جو حاجی اپنے علاقے سے چل کر مکہ م
ہو اس کے لیے سب سے پیاری عبادت بیت اللہ کا طواف کرنا ہے اس لیے فقہا نے حاجیو
ہدایت کی ہے کہ جو مکہ میں پہنچا ہو اس کے لیے سب سے پیاری عبادت بیت اللہ کا طواف کرنا

---

[1] اس مسئلے کی تشریح فتح القدیر شرح ہدایہ میں موجود ہے۔

اس لیے فقہاء نے حاجیوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ دورانِ حج کے ضروری طوافوں کے علاوہ بھی طواف کی طرف رغبت کرتے ہیں یعنی نفل کے طور پہ زیادہ سے زیادہ طواف کریں چنانچہ فقہاء نے بیان فرمایا کہ حاجی کے لیے نفل نماز کی رکعتوں کی بجائے بیت اللہ کے گرد چکر لگانا زیادہ بہتر اور باعث ثواب ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں نماز اور طواف دونوں سے نفل نماز اور نفل طواف ہی مراد ہیں۔ لہٰذا مصنف ہدایہ کا قربانی کے مسئلے کو طواف کے اس مسئلے سے تشبیہ دینا' اس بات کی رہنمائی کرتا ہے کہ قربانی کے مسئلے میں بھی نفل قربانی اور نفل خیرات کا تقابل کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے ہدایہ کی عبارت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس شخص پر' شریعت کے قانون کی رُو سے' قربانی واجب نہ ہوتی ہو۔ مگر وہ اپنی خوشی سے قربانی کرنا چاہتا ہو۔ تو وہ کر سکتا ہے۔ اور اس کے لیے اس قربانی میں صرف اتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب نہیں بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر زیادہ ثواب ہے یعنی اگر وہ شخص قربانی کے جانور کی قیمت کے برابر پیسے خیرات کرتا۔ تو اُسے اس قدر ثواب ہرگز نہ ہوتا جس قدر کہ نفلی قربانی کرنے میں ہے۔ کیونکہ پیسوں میں تو صرف خیرات ہی کا ثواب ہے مگر قربانی میں خیرات کا ثواب بھی ہے اور اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنے کا ثواب بھی ہے۔

. . . . لہٰذا جن لوگوں پر قربانی شریعت کی طرف سے لازم نہ ہو۔ مگر وہ اپنی طرف سے بطور نفل ادا کرنا چاہتے ہوں تو انہیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ کہ چونکہ ہماری قربانی نفلی ہے اس لیے ہمیں اس میں صرف اتنا ہی ثواب ہوگا جیسا کہ اس کے برابر پیسے خیرات کرنے میں۔ بلکہ اُنہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ نفلی قربانی کرنے کا ثواب اور درجہ فضیلت بھی محض پیسوں کی خیرات سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اس وضاحت سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح مولف ہدایہ کا منشاء قربانی کے حق

میں رغبت پیدا کرنا تھا۔ مگر کس طرح مؤلف کی عبارت کو مؤلف کی منشا کے خلاف استعمال کیا گیا ہے۔

وآفتہ من الفھم السقیم	وکم من عائب قولاً صحیحا

نیز صاحب ہدایہ کی کسی عبارت سے یہ مطلب نکالنا کہ وہ قربانی کے بدل کی اجازت دے رہے ہیں، کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ مصنّف حنفی ہیں اور قربانی کے وجوب پر اسی قربانی کی فصل میں واضح دلائل بیان کر رہے ہیں۔ (دیکھیے ہدایہ ج ۴ ص ۴۲۷-۴۲۸) تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا کہ وہ دوسرے ہی سانس میں اس واجب عبادت کے لیے بدل کی اجازت دینا شروع کر دیں جبکہ حنفی مسلک کے تمام فقہاء قربانی کے لیے کسی قسم کے بدل کی قطعاً اجازت نہیں دیتے۔ اس کے لیے حنفی فقہ کی ہر کتاب گواہ ہے۔ یہاں صرف ایک دو عبارات درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ لو تصدق بعین الحیوان لم یجز (فتاوی شامی ج ۵)	اگر زندہ جانور ہی خیرات کر دے تو قربانی ادا نہ ہو گی۔
۲۔ لو تصدّق بعین الشاة او قیمتھا فی الوقت لا یجزئہ عن الاضحیۃ (بدائع الصنائع جزء ۵)	اگر زندہ بکری یا اس کی قیمت کا صدقہ کر دیا تو یہ قربانی ادا نہ ہو گی۔
۳۔ لو تصدق بعین الشاة او قیمتھا فی الوقت لا یجزئہ عن الاضحیۃ (فتاوی عالمگیری ج ۵)	اگر کسی نے زندہ بکری یا اس کی قیمت قربانی کے دنوں میں خیرات کر دی تو اس سے قربانی نہیں ادا ہو گی۔

حصہ دوم

قربانی میں دینی و ملی حکمتیں

قرآن حکیم نے قربانی کے اثرات، اور اس کی حکمتوں کی طرف ایسے واضح اشارے کئے ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح احادیث مبارکہ، اور اسلامی لٹریچر میں بھی قربانی پر روشنی ڈالی گئی ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ چونکہ ہمارے سلف کے اساطین علم و حکمت کے ایام میں قربانی کے متعلق شک و تردد کا گمان تک بھی نہ تھا۔ اس لئے اس موضوع پر افکار کے موتی دور دور کے گوشوں میں مخفی ہیں جنہیں آج چن کر پرو لینے کی ضرورت ہے ؛

قرآن حکیم جس انداز سے قربانی کی اہمیت بیان فرماتا ہے، اس سے ایک بنیادی تصور یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی اللہ کے پیارے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار تھی اور پھر یہ یادگار، دنیا کی آخری "ملت مسلمہ" کو عطا کر دی گئی ؛

دنیا کی ہر قوم، اپنے قومی تصور اور تشخص کو مضبوط رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ روایات رکھتی ہے جن کی پابندی اس قوم میں نہایت احتیاط اور اہتمام سے کی جاتی ہے، حتیٰ کہ آج عصر جدید کی بہت سی "مہذب قومیں" قومیں اپنی کسی ایسی قومی یادگار دن

کو مناتی چلی جا رہی ہیں۔ جن کی معنویت اور بے ہودگی خود ان پر اور ساری دنیا پر عیاں ہے لیکن ان رسموں کی پابندی کی وجہ محض یہ ہے کہ ان کے خیال کے مطابق یہ رسمیں ان کی قومی زندگی کا شیرازہ باندھتی ہیں اور افرادِ قوم میں قومی ہستی کا احساس زندہ رکھتی ہیں۔ [1]

چنانچہ امتِ مسلمہ کو بھی شریعت کی طرف سے کچھ یادگاریں عطا کی گئی ہیں جو زیادہ تر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّتِ حنیفیہ سے ماخوذ ہیں اور قربانی کو ان سب میں ایک نہایت اعلیٰ مقام حاصل ہے ان تمام چیزوں کی تشریح آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔

---

[1] اقبال مرحوم "مثنوی اسرار و رموز" میں لکھتے ہیں:۔

"در معنی این کہ کمال حیاتِ ملّیہ این ست کہ ملّت مثل فرد احساس خودی پیدا کند و تولید و تکمیل این احساس از ضبطِ روایات ملّیہ ممکن گردد۔

ترجمہ

"اس حقیقت کا بیان" کہ قومی زندگی کا کمال یہ ہے کہ قوم بھی فرد کی طرح خودی کا احساس پیدا کرے اور اس احساس کا پیدا ہونا اور مکمل ہونا قومی روایات کی پابندی سے ہی ممکن ہوتا ہے"۔

آگے چل کر اقبال لکھتے ہیں ؎

قوم روشن از سوادِ سرگذشت ۔ خود شناس آمد ز یادِ سرگذشت

سرگذشتِ او گر از یادش رود ۔ باز اندر نیستی گم مے شود

این ترا از خویشتن آگاہ کند ۔ آشنائے کار و مرد رہ کند

اب یہاں ہم سب سے پہلے اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ آیا یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، اس حقیقت کے لئے کئی زبردست شواہد موجود ہیں :-

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام سے پیشتر بھی عربوں میں جانوروں کی قربانی رواج نہایت عام تھا اور ایسے مذہبی تصورات کے ساتھ ہی ادا کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ قربانیاں حرم مکہ کی طرف بھیجی جاتی تھیں۔ ان کی گردنوں میں نشانی کے ہار ڈال دیئے جاتے اور پھر راستے میں، ان جانوروں کو کوئی کچھ نہ کہتا۔ قاضی ابوبکر اندلسی لکھتے ہیں :-

اما القلائد فہی کل ما علق علی اسنمۃ الھدایا۔ علامۃ علی انھا للّٰہ سبحانہ ۔ ۔ ۔ وھی سنۃ ابراھیمیتہ بقیت فی الجاھلیۃ (احکام لابی بکر ج ۲ ص ۱۹۶)	لیکن ہار ہیں یہ ہدایا (جانوروں) کی کوہانوں پر ڈال دیئے جاتے تھے۔ اس بات کی علامت بنا کر کہ یہ جانور اللہ کے نام کے ہیں اور یہ ایک براہیمی یادگار تھی۔ جو کہ جاہلیت میں بھی باقی تھی

البتہ مشرکین قربانی کا گوشت وغیرہ اپنے لئے حرام سمجھتے تھے :-

لانہم کانوا یحرمون لحوم الضحایا علی انفسہم ولا یاکلون منہا۔ (قرطبی جزو ۱۲ ص ۴۶)	اس لئے کہ وہ قربانیوں کا گوشت اپنے لئے حرام سمجھتے تھے اور اس میں سے کھاتے نہ تھے۔

بہرحال یہ ظاہر ہے کہ عہد جہالت میں قربانی کی یادگار جاری ضرور تھی۔ خود قرآن حکیم نے مشرکین کی قربانیوں کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے صراحۃً ثابت ہوتا

ہے۔ کہ ان میں جانوروں کی قربانی کی متعدد صورتیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام، وغیرہ (دیکھئے مائدہ: ۱۰۳، انعام: ۱۳۶-۱۳۹ انعام: ۱۴۳، ۱۴۴ اور مائدہ: ۳ وغیرہ)[1] اسی طرح اس دور کے شعراء بھی قربانیوں کا ذکر بار بار کرتے ہیں اور اپنے اشعار میں عزم کی قربانیوں کی قسمیں کھاتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قربانی ایک مذہبی رسم کی حیثیت سے عربوں میں کس طرح رائج ہو گئی۔ تاریخ و عمرانیات بتاتے ہیں، کہ عربوں کے لئے رسوم اور تصورات کے ماخذ صرف دو تھے۔ ایک اسرائیلی روایات[2] جو انھیں ہمسایہ ملکوں کی طرف سے مہیا ہوتی تھیں اور دوسرا ماخذ، اپنی آبائی یعنی ابراہیمی و اسمٰعیلی رسوم و روایات۔ اُدھر تورات سے پتہ چلتا ہے کہ اسرائیلیوں میں سوختنی[3] قربانی پائی جاتی تھی اس کی تائید قرآن بھی کرتا ہے۔ دیکھئے آل عمران: ۱۸۳ مگر عربوں میں ذبح کی قربانی پائی جاتی تھی اور ذبح کی قربانی کی روایت عرب میں صرف حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے متعلق تھی۔ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ عربوں کی رسم قربانی انہی حضرات کے زمانے سے متوارث چلی آئی ہوگی۔ گو مشرکین نے اس کی شکل بگاڑ دی تھی۔

---

[1] یہ تمام آیات مع ترجمہ و تشریح "قربانی اور قرآن" کی بحث میں دیکھئے [2] یہودی اور عیسائی قوموں کی روایات [3] عرب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد تھے [4] جسے آگ کھاتی تھی۔

تورات میں ابراہیمی قربانی (ب) ادھر تورات کی اکثر آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم اپنی زندگی میں بار بار قربانی کیا کرتے تھے۔ دیکھئے پیدائش میں ہے:

"تب خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو دکھلائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دونگا اور اس نے وہاں خداوند کے لئے جو اس پر ظاہر ہوا، ایک مذبح بنایا" (پیدائش باب ۱۲ : درس ۷)

آگے تیرھویں باب میں ہے :-

"بلوطستان عری میں جو حبرون میں ہے ابراہیم جا رہا اور وہاں خداوند کے لئے ایک مذبح بنایا (۱۳ : ۱۸)

ان آیات میں "مذبح" کا لفظ بار بار آیا ہے۔ جو ذبح سے بنا ہے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وقتاً فوقتاً قربانی ذبح فرماتے رہتے، اور اغلب یہ ہے کہ ہر سال قربانی ذبح کرتے ہونگے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کی زندگی میں قربانی کی عبادت پہلی بار بیٹے کی قربانی کی شکل میں آئی تھی اور اس کے بعد جانور کی قربانی اور اس کی یادگار کے طور پر ادا کی جاتی تھی۔ ان شواہد سے یہ نتیجہ خود بخود نکل آتا ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت ذبیح اللہ کی سلامتی کے شکرانے کے طور پر جانور کی قربانی کیا کرتے تھے اور ان کے بعد، یہ سنت ان کی اولاد (خاندانِ اسمٰعیلؑ) یعنی عربوں میں جاری رہی۔

ج : قربانی کے ابراہیمی یادگار ہونے پر مذکورہ شواہد کی تائید قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم نے سورۂ انعام میں قربانی کی مشرکانہ صورتوں

کو بیان کرنے کے بعد سورت کے آخر میں فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

(انعام: ۱۶۱، ۱۶۲)

اے رسول اکرمؐ آپ اعلان کر دیجئے۔ کہ مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی ہے جو دین قویم ہے۔ حضرت ابراہیم کی ملت جو اللہ کے لئے خالص تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ آپ فرما دیجئے "بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری حیات و ممات اللہ ہی کیلئے ہے جو جہانوں کا پالنہار ہے"

ان آیات میں انداز کلام یہ ہے کہ آپ ان مشرکین کے سامنے اعلان فرما دیں کہ سیدھی راہ یعنی حضرت ابراہیم کا دین حنیف تو اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے نہ کہ تم کو اس لئے کہ تمہارے طور طریق سب مشرکانہ ہیں اور حضرت ابراہیم ہرگز ہرگز مشرک نہ تھے تو پھر تم ان کے پیروکار کیونکر کہلا سکتے ہو اور دیکھو غور کرو۔ حضرت ابراہیم کے طریقوں پر ہم چل رہے ہیں۔ یعنی ہماری نمازیں اور ہماری قربانیاں خالصۃً اللہ کے لئے ہیں۔ بلکہ جینا اور مرنا تک اللہ کے لئے ہے اور یہی دین حنیف براہیمی کی حقیقت ہے معلوم ہوا کہ نماز اور قربانی حضرت ابراہیم کے دین کے وہ عناصر تھے۔ جن کا ابراہیمی یادگار ہونا عربوں میں معروف اور مسلم تھا۔ البتہ مشرکین نے ان عبادات کی شکل بگاڑ رکھی تھی۔ اب اہل اسلام نے ان ابراہیمی یادگاروں کو ان کی حقیقی صورت سیرت سمیت پھر زندہ کیا اور مشرکین کو چیلنج کیا۔ کہ آؤ ثابت کرو اور دیکھو کہ خلیل بت شکن کی راہوں پر صحیح معنی میں کون چل رہا ہے۔ اور اس کے لئے معیار یہ رکھا:-

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ . . . . فرما دیجئے کہ میری نماز اور قربانی . . .

قربانی کے ابراہیمی یادگار ہونے پر دوسری قرآنی دلیل سورۂ صٰفّٰت میں پائی جاتی ہے جہاں وہ واقعۂ عظیمہ بیان کیا گیا ہے۔ جو اس یادگارِ قربانی کا اصل منبع تھا دیکھئے وہ آیاتِ کریمہ یہ ہیں:-

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ
اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى
قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ
سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ
الصّٰبِرِيْنَ ١٠٢ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ
لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ١٠٣ اِنَّ هٰذَا
لَهُوَ الْبَلٰۗـؤُا الْمُبِيْنُ ١٠٤ وَفَدَيْنٰهُ
بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ١٠٥ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ
فِي الْاٰخِرِيْنَ ١٠٦ (صٰفّٰت: ١٠٢-١٠٦)

حضرت ابراہیمؑ نے کہا اے بیٹے میں نے خواب
میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔
سو دیکھ لو تمہارا کیا ارادہ ہے۔ حضرت
اسمٰعیلؑ بولے اے ابا جان جو آپ کو حکم
ہوا ہے اس پر عمل کیجئے انشاء اللہ مجھے
تو آپ صبر کرنے والا پائیں گے ١٠٢ یعنی جب
دونوں جھک گئے (یعنی تعمیل حکم پر آمادہ ہو گئے)
اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے
پکارا اے ابراہیم تم نے خواب کو سچا کر دیا ہم نیکوں
کو یونہی جزا دیتے ہیں ١٠٣ بیشک یہ صریح آزمائش
ہے ١٠٤ اور ہم نے اس کا فدیہ ذبح عظیم کے ساتھ
کر دیا ١٠٥ اور اس کا ذکر بعد والوں میں بھی رکھا ١٠٦

یہاں بعض لوگ فدینہ بذبح عظیم کا معنی یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے حضرت اسمٰعیل کو خانہ کعبہ کی تولیت اور خدمت کے لئے قبول کیا۔ مگر یہ معنی اغرب بھی اور محض تکلف والی بات ہے۔ کیونکہ اس طرح لفظ ذبح کو اس کے اصلی معنی سے ہٹا کر مجازی معنی مراد

سینے پڑھتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک بلند پایہ کلام کے الفاظ کو بلا ضرورت اصلی معانی سے ہٹایا نہیں جاتا نیز امام شوکانی لکھتے ہیں۔ کہ "ذبح" کا لفظ بولا ہی اس چیز پر جاتا ہے۔ جو ذبح کی گئی ہو اور پھر انھوں نے یہ بھی بتلایا ہے۔ کہ "عظیم" کا مفہوم بیان کیا ہے :۔

وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ٥ الذبح: اسم المذبوح وجمعه ذبوح ... ومعنى عظيم عظيم القدر، ولم يرد عظم الجثة، وانما عظم قدره لانه فدى به الذبيح، اولانه متقبل قال النحاس يكون العظيم في اللغة للكبير وللشريف واهل التفسير على انه هنا للشريف اى المتقبل :

تفسیر فتح القدیر ج ۴ ص ۳۹۳

ذبح اس پر بولا جاتا ہے جو ذبح ہو چکا ہو اور اس کی جمع ذبوح ہے اور عظیم سے مراد عظیم بلحاظ قدر و منزلت اس لئے کہ یہ حضرت ذبیح کا فدیہ بنا۔ یا اس لئے کہ یہ قبولیت کو پہنچا کیونکہ لغت میں عظیم بڑے اور شرافت والے کے معنی میں آتا ہے اور یہاں علما تفسیر کہتے ہیں کہ معنی "شرف والے" ہیں یعنی شرف قبول پانے والا ۔

حضرت سدی فرماتے ہیں :۔

وقال السدى : نودى ابراهيم فالتفت فاذا هو بكبش املح انحط من الجبل"

مراح لبید نووی ج ۲ ص ۲۲۲ کبیر ج ۷ ص ۱۶۰

اور حضرت سدی نے کہا : حضرت ابراہیم کو ندا دی گئی پس آپ ادھر متوجہ ہوئے تو پہاڑ کی طرف سے ڈھلتا ہوا ایک سفید مینڈھا نظر آیا"۔

نیز مفسرین نے فرمایا ہے کہ فدیے کے بکرے کو عظیم اس لئے کہا کہ اس کے ساتھ دنیا میں ایک عظیم یادگار قائم ہوئی۔

وقال عمرو بن عبید لانہ جرت السنۃ بہ وصار دیناً باقیاً آخر الدھر (روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۳۲) اور عمرو بن عبید نے کہا کیونکہ اس کی یادگار جاری ہو گئی اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک طریقۂ دینی بن گیا۔

غرض لغت اور تفسیر سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ذبح سے مراد یہاں ایک جانور کی قربانی ہے جو حضرت اسمٰعیل کی بجائے ادا کی گئی تھی اور اس معنی میں کوئی امر محال یا خرق عادت وغیرہ بھی لازم نہیں آتا۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ لوگ نئی نئی تاویلیں نکالنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں نیز وترکنا علیہ فی الآخرین[۱] اور ہم نے اس کا ذکر بعد والوں میں باقی چھوڑا" کے الفاظ بھی اس بات کو چاہتے ہیں کہ اس واقعہ کی دنیا میں کوئی یادگار قائم کی گئی ہو۔ جو ہمیشہ جاری ہو۔ بہرحال ان امور کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی اور پھر ان کی جگہ فدیہ کے جانور کا ذبح ہونا اور نیز اس قربانی کا عالمی یادگار بنا دیا جانا، ان سب چیزوں کا ذکر سورۂ صافات میں آگیا ہے۔

یہاں عرب کے ان مشہور آثار و روایات کا ذکر بھی مناسب ہوگا جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے فدیے میں مینڈھا ذبح ہوا تھا اور یہ کہ اس

---

[۱] دراصل یہ حضرات قربانی کے اس عظیم پس منظر سے آنکھیں بند رکھنا چاہتے ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم کی پاکیزہ یادگار ہے کیونکہ اس پس منظر سے الگ کر دینے کے بعد قربانی کی اہمیت کو آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے اور یہی آج اہل کتاب کی منشا معلوم ہوتی ہے۔

قربانی کے آثار عرب میں باقی تھے۔ عربوں میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے متعلق بے شمار قومی روایات موجود تھیں اور اس واقعہ عظمے[۱] کے تمام متعلقات ان کے ہاں بالکل معروف و مشہور تھے۔ مثلاً یہ واقعہ جہاں پیش آیا تھا۔ وہ مقام تک عرب بزرگوں کو معلوم تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ جگہ کوہ ثبیر (منیٰ) کے دامن میں واقع ہے:۔

عَنْ ابْنِ عباسٍ رض: قَالَ: الصخرۃ الّتی بِمنیٰ بِاَصْلِ ثبیرٍ ھی الصخرۃ التی ذبح علیھا ابراھیمُ فداءَ ابنہ ھبط علیہ من ثبیرٍ ۔

حضرت ابن عباس رض نے کہا: جو ٹیلہ منیٰ میں ثبیر کے دامن میں واقع ہے۔ یہ وہی ٹیلہ ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا فدیہ قربان کیا تھا، جو پہاڑ سے اترا تھا"۔

تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۵۲

اسی طرح مستند تاریخی ذرائع سے ثابت ہوتا ہے کہ جو مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور فدیہ ذبح فرمایا تھا۔ اس کے دونوں سینگ کعبہ کے اندر لٹکائے گئے تھے جو ظہور اسلام تک موجود رہے۔ بلکہ حضورؐ کے بعد بھی کچھ عرصے تک موجود تھے۔ فتح مکہ کے دن حضورؐ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ان سینگوں کو ملاحظہ فرمایا اور بعد ازاں حضرت عثمان رض کو حکم دیا کہ ان کو کپڑے سے ڈھک دو۔ یہ واقعہ امام احمد اور علامہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے:۔

عن عثمان قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنّی کنتُ رأیتُ

حضرت عثمان رض نے بتایا: کہ مجھ سے حضور نے فرمایا: اے عثمان میں نے مینڈھے کے

۱؎ واقعہ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق فتح مکہ کے ساتھ ہے

قرنی الکبش حین دخلت ننسیت۔ آن آمرک ان تخمر همافخمرّهما

ابن کثیر ج ۷ ص ۱۵۳ بحوالہ امام احمدؒ

سینگ اس وقت دیکھے تھے جب میں کعبہ میں داخل ہوا۔ سو مجھے خیال نہ رہا کہ تمہیں ان کو ڈھانپ دینے کا حکم دوں۔ پس تم ان کو ڈھانپ دو۔"

یہ سینگ ایک احترام والی وراثت اور یادگار کی حیثیت سے عربوں میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آئے تھے اور یہاں سے علمائے اسلام نے یہ زبردست استدلال اخذ کیا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں ذبیح حضرت اسمٰعیل تھے۔ نہ کہ حضرت اسحٰق کیونکہ فدیے والے مینڈھے کے سینگوں کا کعبہ میں ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ اس شخصیت سے متعلق ہے۔ جو عرب میں آباد تھی اور یہ حضرت اسمٰعیل ہی تھے۔ جو خاص مکہ کی جگہ پر آباد تھے۔ لہذا اس واقعہ کو حضرت اسحٰق سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ شام میں رہتے تھے اور مکہ میں ان کا ایک مرتبہ آنا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ دیکھئے علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :-

وھٰذا دلیل مستقل علیٰ انّہٗ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فانّ قریشاً توارثوا قرنی الکبش الّذی فدی بہ ابراھیم خلفاً عن خلفٍ وجیلاً بعد جیلٍ الی ان بعث اللہ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ابن کثیر ج ۷ ص ۱۵۳)

اور یہ اس بات کی ایک مستقل دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے کیونکہ قریش اس مینڈھے کے سینگوں کے جسے حضرت ابراہیم نے بطور فدیہ قربان کیا تھا۔ نسلاً بعد نسل اور پشت در پشت وارث بنتے چلے آتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا :

ابراہیمی قربانی کے یہ سینگ خلافتِ راشدہ کے بعد بھی موجود تھے اور تابعین کرام نے بھی انہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ امام شعبی فرماتے ہیں :-

وقال الشعبی : ھو اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام وقد رایت قرنی الکبش فی الکعبۃ	شعبی نے کہا : ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے کیونکہ میں نے مینڈھے کے سینگ کعبے میں دیکھے تھے ۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۵۴)

حضورؐ کے بعد یہ نشانی دنیا میں زیادہ دیر تک باقی رکھنا شاید قدرت کو منظور نہ تھا۔ چنانچہ یزید کے زمانے میں کعبہ میں آتش زدگی کا حادثہ پیش آیا تو غلافوں کے ساتھ یہ سینگ بھی جل گئے۔ یہ واقعہ ۶۴ھ کا ہے۔[1]

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا ابراہیمی یادگار ہونا اور حضرت اسمٰعیل کی جگہ فدیئے کے جانور کا ذبح کیا جانا عربوں کی تاریخ کے نہایت ہی معروف اجزاء تھے۔ پھر عربوں کی تاریخی نظموں میں بھی ان واقعات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جیسے امیہ بن الصلت کا یہ قصیدہ :

ولابراھیم الموفی بالنذر	اور حضرت ابراہیم خدا کی رضا جوئی میں
احتسابا وحامل الاجزال	نذریں پوری کرنے والے اور قربانیاں ادا کرنے والے تھے

---

[1] کعبہ کی آتش زدگی میں سینگوں کے جل جانے کا ذکر علامہ ابن کثیر نے بھی کیا ہے : تفسیر ج ۷ ص ۱۵۳ ۔ سنہ ۔ میں نے یہ اشعار "الرای الصحیح فی من ھو الذبیح" فراہی سے نقل کئے ہیں ۔ کوکب

بكره لم يكن ليصبر عنه
أو يراه في معشر أقتال

چنانچہ انہوں نے اپنے بوڑھے بیٹے کی نذر مانی جس کی جدائی اور جس کا خطرات میں پڑنا ان سے برداشت نہ ہو سکتا تھا۔

بني إني نذرتك لله!
شحيطا فاصبر فدى لك حالي

بولے اے بیٹے میں نے تجھے اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کی نذر مانی ہے پس میں تم پر قربان جاؤں تم ثابت قدم رہنا

بينما يخلع السرابيل عنه
فكه ربه بكبش جلال

ابھی حضرت ابراہیمؑ فرزند کی قمیص ہی اتار رہے تھے کہ اللہ نے ایک مضبوط مینڈھے کے ذریعہ پر انہیں آزاد فرما دیا

عربوں کی تاریخ کے ان شواہد کو دیکھئے، اور پھر ان حضرات کی طبع رسا کی داد دیجئے جو آج یہ فرماتے ہیں کہ قربانی کو ابراہیمی یادگار کہنا محض ملّا کی اختراع ہے ورنہ اس کی اصل کچھ بھی نہیں۔

قربانی کے ابراہیمی یادگار ہونے کی تیسری قرآنی دلیل سورۂ حج کی آیات سے ملتی ہے، اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ حج اور ارکانِ حج، مسلّمہ طور پر حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہیں۔ اب قرآن نے سورۂ حج میں قربانی کو حج کے افعال میں شمول کر بیان فرمایا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ باقی اعمال حج کی طرح قربانی بھی ابراہیمی یادگاروں میں سے ہے۔ مگر اس اشارے سے آگے بڑھ کر، نہایت واضح صراحت بھی موجود ہے۔ دیکھئے حج کا ذکر اس طرح

شروع فرمایا ہے:۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۲۷ (حج : ۲۷)

اور اے حضرت ابراہیم! آپ لوگوں میں حج کا اعلان کریں، وہ تمہاری طرف پیادہ یا اور دور کی راہوں سے بھی خستہ حال سواریوں پر آئیں گے ۲۷

اس کے بعد حج کے فوائد اور دیگر متعلقات یوں بیان فرمائے:۔

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ۲۸ (حج : ۲۸)

تاکہ وہ اپنے (دینی و دنیوی) فوائد پائیں اور ان معلوم دنوں میں اللہ کے عطا کردہ مویشیوں پر اللہ کا نام لیں (انہیں قربانی کریں) پس ان میں سے خود بھی کھاؤ اور خستہ حال فقرا کو بھی کھلاؤ۔

معلوم ہوا کہ حج اور قربانی دونوں کے دونوں حضرت ابراہیم کی اس دعوت سے تعلق رکھتے ہیں جو انہوں نے اللہ کے حکم سے دنیا والوں کو دی تھی۔ چنانچہ دنیا میں یہ دونوں چیزیں ابراہیمی یادگار کی حیثیت سے قائم ہیں۔ مذکورہ بالا دلائل و شواہد سے یہ بات پایۂ یقین کو پہنچتی ہے کہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی یادگار ہے۔ اب ہم اپنے حضور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان عالی یہاں درج نقل کرتے ہیں جو آپ نے فریضۂ قربانی کو زندہ کرنے کے بعد ارشاد فرمایا تھا:۔

قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا

حضور کے صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول یہ قربانیاں کیا ہیں

هٰذِہٖ الْاَضَاحِیْ؟ قَالَ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ (ابن کثیر ج ۳، ص ۲۲۱ - ابن ماجہ ص۲۳۳ مسند امام احمد مشکوٰۃ ص۱۲۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں ؛

احادیث میں اور بھی اس امر کے لئے بہت سی صراحتیں موجود ہیں۔ مگر یہاں ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اور یہاں سے گفتگو کا دوسرا حصّہ شروع کیا جاتا ہے یعنی اس امر کی وضاحت، کہ قربانی کی یادگار ملّت اسلامیہ میں کیوں جاری رکھی گئی ؛

سنت قربانی اور ملّت مسلمہ کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں حتیٰ کہ ہماری ملّت کا نام تک ان کا رکھا ہوا ہے :-

مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا (حج : ۷۸)

"یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم کی ملّت ہے انہوں نے ہی تمہارا نام "مسلمین" رکھا پہلے دور کیلئے بھی اور اس کیلئے بھی

پھر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے ہمارا نام "امتِ مسلمہ" اسی وقت مقرر کر دیا تھا جبکہ آپ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر دنیا میں ہمارے وجود اور بعثت کے لئے دعا فرما رہے تھے۔ بقرہ میں ہے :-

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً

"اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں (ابراہیم و اسمٰعیل) کو اپنا مسلم بنا اور ہماری اولاد میں سے

لک ۔ (بقرہ: ۱۲۸) اپنے لئے ایک امت مسلمہ پیدا فرما"۔

معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم کی شمع ہدایت سے اسلام کی کرنیں پھوٹی ہیں اور وہیں سے یہ ضیاء اس آخری امت کو بھی عطا ہوئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جس "اسلام" کا ہمیں دنیا میں علمبردار بنایا گیا ہے اس کی حقیقت اور اس کی تشریح کا مکمل نقشہ کیا ہے ؟ سو اس کے متعلق بھی قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نقشہ بھی خود حضرت ابراہیم کی زندگی میں موجود ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے اسلام کا نمونہ انہوں نے پیش کیا:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بقرہ: ۱۳۱) جب ابراہیم سے ان کے پروردگار نے کہا تم مسلم بن جاؤ۔ تو حضرت ابراہیم نے کہا میں جہانوں کے پروردگار کیلئے اسلام لایا ہوں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسلام کی ترجمانی قبول کرلی تو ساتھ ہی اپنی زندگی کو اسلام کی عملی تفسیر بنا کر پیش کیا اور دنیا پر واضح کیا کہ اسلام کی حقیقت ہے "اللہ کے سامنے اس طرح جھک جانا کہ زندگی کی باقی تمام دلچسپیاں ضمنی اور فرعی ہو کر رہ جائیں اور ایک اللہ کی رضا طلبی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو جائے حتی کہ اپنے مولا کی رضا حاصل کرنے کے لئے کوئی کٹھن اور کوئی قربانی مشکل نظر نہ آئے۔ چنانچہ ملت حنیف کے بانی' اور اسلام کے اس علمبردار نے یہ سب کچھ کر کے دکھایا اور اپنے ربانی مشن کی سربلندی کے لئے ایثار و قربانی کا ہر مرحلہ مسکرا مسکرا کر اختیار کیا:۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ اور جب پروردگار نے حضرت ابراہیم کو چند

فَأَتَمَّهُنَّ (بقرہ:) چیزوں میں آزمایا تو حضرت ابراہیمؑ نے ان کو پورا کر دکھایا"۔

سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ محسوس ہوا کہ جو کام ان کے سپرد کیا گیا ہے، اس کی راہ میں سب سے پہلی رکاوٹ تو میرا اپنا گھر اور میرا وہ خاندان ہے جس میں میں پروان چڑھا ہوں سو آپ نے ان کے سامنے اپنا مشن بیان کیا، لیکن کنبہ کے رکن اعلیٰ کا جواب یہ تھا:

أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ (مریم: ۴۶) اے ابراہیم کیا تم میرے معبودوں سے برگشتہ ہو گئے ہو!

اب حضرت ابراہیمؑ کے لئے اپنے ان اعزہ و اقارب سے منقطع ہو جانے اور اپنے سوز و گداز کی ایک نئی اور اکیلی دنیا بسانے کے سوا چارہ نہ تھا، چنانچہ آپ نے عزیزوں اور گھر والوں کے تعلقات کو اپنے مقصد کی راہ میں ہمیشہ کے لئے قربان کر دیا:

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۴۸ (مریم: ۴۸) میں تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جدا ہوتا ہوں، جنہیں خدا کے سوا پوجتے ہو اور میں اپنے رب سے دعائیں مانگوں گا۔

یہ اللہ کی راہ میں پہلی قربانی تھی اور اسلام کی حقیقت کا پہلا کرشمہ تھا۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں چمکا۔ اس کے بعد اس سفر کا ایک اور مرحلہ یہ تھا کہ اپنی ساری قوم، اہل ملک اور وقت کی قوت حاکمہ کے سامنے اپنا مشن

بیان کرتے ۔ اور حق کی بات سناتے ہوئے پوری قوم اور اہل سلطنت کا بائیکاٹ برداشت کرتے ۔ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی کر دکھایا، اور بت خانوں کے دیس میں خلیل بت شکن کی آواز یوں گونجی :

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۵۲ (انبیاء : ۵۲)

یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کے سامنے تم آسن مارے بیٹھے رہتے ہو۔

اور پھر وطن کو چھوڑنے کا عزم بھی کرنا پڑا :

وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۲۶ (عنکبوت : ۲۶)

اور حضرت ابراہیمؑ بولے، میں اپنے رب کی راہ میں ہجرت (ترک وطن) کروں گا، بیشک وہ غالب حکمت والا ہے

اس طرح آپ کی زندگی میں قوم، ملک اور وطن کو اپنے مقاصد پر قربان کرنے کا مرحلہ بھی آیا اور اسی طرح آپ دنیا کے سامنے اسلام کی تفسیر پیش کرتے رہے حضرت ابراہیمؑ کی سیرت مسلمہ کے جو واقعات ملتے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے مال و دولت کے بڑے بڑے عظیم حصے اللہ کے نام پر مستانہ وار قربان کر دیا کرتے تھے، گویا مال، خاندان، اقارب، اقتدار، قوم اور وطن ان تمام چیزوں کی قربانی، اللہ کی راہ میں پیش کر دی تھی۔ لیکن یہ سفر یہاں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کے بعد ابتلاء (آزمائش) کا وہ مقام آجاتا ہے جہاں صرف اللہ کے خاص بندے ہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں اس طرح ظاہر ہوا کہ ایک دن آپ معبود برحق کی محبت میں ایسے سرشار ہو کر اٹھے کہ پیکران باطل کے ریزے فضا کی لہروں

میں بکھیر ڈالے ۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۵۸
انبیاء : ۵۸

"پس حضرت ابراہیمؑ نے ان بتوں کو پارہ پارہ کر ڈالا اور صرف ان کا بڑا بت باقی رہنے دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں (اور عبرت لیں)

باطل پرستوں نے حضرت کا یہ چیلنج قبول کیا اور ملک میں اعلانِ عام ہو گیا۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۶۸ انبیاء : ۶۸

وہ بولے : ابراہیم کو جلا ڈالو اور یوں اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ اگر تم نے کچھ کرنا ہے" ۔

اللہ کے خلیل اپنی زندگی کے مشن پر قائم رہے اور اللہ کی راہ میں جان کی قربانی پیش کرنے پر بھی خندہ روئی کے ساتھ آمادہ ہو گئے ؎

زندگی میں آ بھی جاتے ہیں کئی ایسے مقام
کرنا پڑتا ہے جہاں دار و رسن کا احترام

اس موقع پر خدا نے اہل باطل کو اپنی نشانِ قدرت کا ایک کرشمہ دکھایا اور حضرت ابراہیمؑ کی جان عزیز کو محفوظ کر لیا :

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ۶۹
(انبیاء : ۶۹)

ہم نے حکم دیا اے آگ تو حضرت ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بن جا ۶۹

تاہم حضرت ابراہیم علیہ نے اپنی جان سپرد کر دی تھی اور یہ آپ کی طرف سے

اللہ کی راہ میں جان کی قربانی تھی۔ مگر ابراہیمی قربانیوں کی آخری منزل ابھی باقی تھی اور اللہ نے دنیا والوں پر ابھی یہ ظاہر فرمانا تھا کہ جس شخص کو اسلام کا داعی بنایا جا رہا ہے اور جس نے اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی ندا عالم رنگ و بو میں بلند کی ہے۔ اس کی زندگی میں اسلام کی ایک منزل یہ بھی ہے کہ اس کی اپنی جان کی قربانی کے بعد اسے کہا جاتا ہے۔ کہ اب تم اللہ کے حکم پر اپنی جان کے ٹکڑے یعنی اپنے عزیز و حبیب لختِ جگر کی قربانی پیش کرو۔ یہ وہ مقام ہے جہاں کوئی انسانی دل قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن اللہ کے خلیل اس کے لیے بھی تیار ہیں:-

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُکَ (صٰفّٰت: ۱۰۲)

حضرت ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔

اس بیٹے کی گرمیٔ حیات بھی اپنے باپ ہی کے سوزِ دروں کا پرتو ہے۔ اس لیے وہ بھی پوری طمانیتِ قلب کے ساتھ تعمیل کے لیے حاضر ہے:

قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (صٰفّٰت: ۱۰۲)

حضرت اسمٰعیل بولے: اے ابّا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے اس پر عمل کیجیے

یہ قربانی حضرت ابراہیم کے سفرِ تسلیم و رضا کی آخری منزل تھی اور اس سے یہ بات عیاں ہو گئی۔ کہ واقعی حضرت ابراہیم علیہ السلام اسلام کی حقیقت کے نکتۂ اعلیٰ پر قائم ہیں یعنی اللہ کے سامنے جھک گئے ہیں اور ایسی شان سے

اس کے دربار میں گردن رکھ دی ہے کہ اپنی آخری پیاری سے پیاری متاع اپنے مولا کے ایک اشارے پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ چنانچہ جب داستانِ تسلیم و رضا کے سارے باب گزر جانے کے بعد قربانی کے اس آخری مرحلے سے بھی حضرتِ ابراہیمؑ کامیاب گذرے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کے اسلام کی تکمیل کا اعلان فرما دیا۔ اور بتلا دیا کہ سر جھکانے کا مفہوم اس طرح مکمل ہوا کرتا ہے:

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ (صٰفٰت : ۱۰۳)

پس جب دونوں جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا

معلوم ہوا کہ ابراہیمی اسلام کا نقشہ قرآن حکیم کے مطابق قربانی کی تکمیل سے مکمل ہوتا ہے ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اب اس قربانی کے تصور کو دنیا میں ہمیشہ رکھنا لازم تھا تاکہ ابراہیمی اسلام کی حقیقت لوگوں پر آشکار ہوتی رہے۔ چنانچہ اسے ایک ابدی یادگار بنا کر اسے اس قوم میں جاری کیا گیا جو امتِ مسلمہ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ کیونکہ یہی قوم حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی وارث اور جانشین ہے:-

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ (آل عمران : ۶۸)

بے شک تمام انسانوں میں سے حضرت ابراہیم سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو ان کے نقش قدم پر ہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کے اہل ایمان

لہٰذا ابراہیمی یادگاروں کا سرمایۂ عظمیٰ اسی قوم کے سپرد ہونا چاہیئے تھا اور چنانچہ اسی قوم کے سپرد کیا گیا۔

ما مسلمانیم و اولادِ خلیلؑ ۔۔۔ از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل (اقبالؔ)

ترجمہ: ہم مسلمان ہیں اور ہم ہی جناب خلیل علیہ السلام کی اولاد ہیں ۔۔۔ اور اگر تم دلیل چاہو۔ تو "ابیکم" کے لفظ کو دیکھو

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ط هُوَ ۔۔۔ یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم کی ملت ہے

سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (حج: ۷۸) ۔۔۔ انہوں نے تمہارا نام المسلمین رکھا تھا

اسی لئے ہمارے حضورؐ نے جب اس ابراہیمی قربانی کی یادگار کو اسلام میں جاری فرمایا تو ساتھ ہی اس کا پس منظر بھی بیان فرما دیا:

سُنَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۔۔۔ یہ قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے

(مسند امام احمد۔ ابن ماجہ ص ۲۳۳ مشکوٰۃ ص ۱۲۹۔ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۱)

ابراہیمی شریعت کی عمارت

دین اسلام کا مکمل نقشہ اگر کسی ایک ہی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے، تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہے، اسلام کا مفہوم ہے گردن رکھ دینا یعنی اپنے تئیں اللہ کے سپرد کر دینا اور اسی کا دوسرا نام قربانی ہے۔ حضرت ابراہیم نے اللہ کی راہ میں قربانی کا ہر مرحلہ طے کیا۔ خاندانی تعلقات محبت کی قربانی۔ وطن کی قربانی۔ جان کی قربانی اور بیٹے کی قربانی گویا کہ آپ کی زندگی میں

ایک پوری امت کی فرماں برداری اور اطاعت شعاری پائی جاتی تھی:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا (نحل: ۱۲۰)

بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی ایک فرمانبردار امت تھے۔ اللہ کی طرف ہی مائل رہنے والے

زندگی کا یہ منظر چونکہ اسلام کی حقیقت کاملہ کا صحیح مظہر تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس زندگی کو پسند فرماتے ہوئے اسے اسلامی تصورِ حیات کا نمونہ Idealized Example for The Islamic قرار دیا۔

پھر چونکہ اللہ کا پسندیدہ اور ابدی دین اسلام ہی تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی زندگی کی یادگاروں کو باقی رکھنے کے لئے ان ہی کی اولاد میں ان ہی کی دعا کے مطابق ایک قوم پیدا فرمائی جسے خود حضرت ابراہیمؑ نے امتِ مسلمہ کے نام سے پکارا تھا۔ چنانچہ اسلام میں عبادات کا جو نظام جاری ہے اس میں زیادہ تر ابراہیمی ملت کی جھلکیاں ہی دکھائی دیتی ہیں:

اسلام کی عظیم الشان عبادت نماز کو دیکھئے اولاً تو اس کی ادائیگی کے آداب ابراہیمی نماز کی یاد دلاتے ہیں، ثانیاً نماز کے خاتمے پر جو درود[1] رکھا ہے۔ اس میں اشارۃً نہیں، بلکہ صراحۃً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام مبارک موجود ہے۔ ہماری

---

[1] نماز آخر میں درود میں ہمارے حضور جناب محمد کریم صلی اللہ اور حضرت ابراہیمؑ دونوں کا نام یکجا رکھا جانا اور پھر حضورؐ کا نام پہلے آنا، یہ ایک لطیف اور وسیع مضمون ہے جسے کسی دوسرے مقام پر بیان کیا جائے گا۔ اسی طرح نماز کے ہر گوشے میں ایسے عظیم اشارات مضمر ہیں۔ جو کسی وقت بھی سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کر سکتے ہیں:

دوسری عبادت زکوٰۃ ہے اور یہ بھی ابراہیمی شریعت میں موجود تھی اور یہ آپ کی مالی قربانیوں کی یادگار ہے۔ اس کے بعد ہماری عبادات حج اس قدر واضح طور پر ابراہیمی یادگاریں ہیں کہ محتاج بیان نہیں یعنی وہ مقامات تک ملت مسلمہ کو دکھائے جائیں، جہاں حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ نے خدا کی اطاعت شعاری کے لاثانی نمونے پیش کئے تھے ؛

پھر چونکہ ابراہیمی خوابوں کی تعبیر بننے والی ملت اسلامیہ نے ایک آفاقی اور عالمگیر قوم کی حیثیت سے دنیا میں ظاہر ہونا تھا۔ لہذا ابراہیمی زندگی کے بعض حصوں کو عالمگیر یادگاروں کی حیثیت میں جاری کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہماری شریعت نے یہ حکمت ملحوظ رکھی کہ جو عبادات اپنے اندر عمومی رنگ رکھتی تھیں۔ ان سب کو عام قرار دے دیا اور جو خصوصی شکل میں تھیں انہیں خاص رہنے دیا۔ مثلاً حج کے اکثر افعال مقامات خاصہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے جیسے طواف جو کعبہ سے متعلق ہے۔ سعی یعنی پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا جو صفا مروہ سے متعلق ہے اور عرفات کے میدان میں قیام کرنا۔ جو اسی میدان سے متعلق ہے۔

اب ان جیسی تمام چیزوں کو مخصوص اور محدود ہی رکھا۔ یعنی حج انہی مقامات پر پہنچ کر ادا کیا جا سکتا ہے ؛

لیکن جو ابراہیمی شعائر عالمگیرانہ شان رکھتے تھے، انہیں دنیا کے مسلمانوں میں عام اور آفاقی عبادات بنایا گیا، جیسے کہ نماز۔ کہ گو اس کا تعلق کعبۃ اللہ سے ضرور ہے مگر نماز کو دور سے صرف کعبہ کے رخ پر بھی ادا کیا جا سکتا تھا۔ لہذا نماز کو

طواف، سعی اور قیام عرفات (ارکان حج) کی طرح محدود نہ رکھا۔ بلکہ زمین کے ہر زاویے سے نمازوں اور سجدوں کی اجازت دی گئی۔ بالکل یہی کیفیت قربانی کی بھی تھی کہ گو اس کا بھی کچھ تعلق کعبہ[۱] سے تھا، مگر اسے بھی نماز کی طرح ہر دُور دراز مقام سے صرف کعبہ کے رخ پر جانور لٹا کر ادا کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا قربانی کو بھی مسلمانوں میں آفاقی اور عمومی نشان کے ساتھ جاری کیا گیا[۲]

اس پُرحکمت نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ جناب ابراہیمؑ کی کتاب زندگی کے درخشاں اوراق صرف کعبہ و حرم ہی سے متعلق نہ رہے، بلکہ کائنات ارضی کے ہر حصے میں پھیل گئے۔ جن کی ہدایت کی روشنی میں اسلامیانِ عالم، اپنے عظیم باپ کے نقوش پاک کو ہمیشہ دیکھ سکتے ہیں اور اس طرح حضرت ابراہیم کے متعلق اللہ تعالیٰ کی یہ پیشگوئی کائنات میں کیسی صداقت کے ساتھ گونجتی رہتی ہے:

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا — "اے ابراہیم میں تمہیں انسانوں کا امام بناؤں گا" (بقرہ: ۱۲۴)

قربانی اور ابراہیمی عبادات کا یہ پس منظر سامنے آنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کے لئے ان میں سے کوئی چیز بھی معمولی اور سرسری حیثیت کی حامل نہیں

---

[۱] اور اس تعلق کی بنا پر قربانی کی ایک نوع ھدیا (جس کی تشریح پچھلی فصلوں میں گذر چکی ہے) حرم کے ساتھ خاص رکھی گئی ہے جیسا کہ حرم میں نماز پڑھنے والے کیلئے یہ ضروری رکھا گیا کہ وہ عین کعبہ کی طرف رخ کرے۔

[۲] نماز اور قربانی کو صرف حرم کے ساتھ مخصوص نہ رکھنا، بلکہ انہیں آفاقی شکل عطا کرنا اسلام کے تصور عبادت کو واضح کرتا ہے۔ اسلام میں کسی خاص مقام کو معبود کی حیثیت حاصل نہیں کعبہ صرف ملی مرکزیت برقرار رکھنے کے لیے سمت عبادت ضرور ہے۔ مگر مقصود عبادت صرف ذات الٰہی ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔

بلکہ یہ تمام شعائر اور یادگاریں، درحقیقت ابراہیمی عمارت کی اینٹیں ہیں۔ جو تقریباً ساڑھے چار ہزار سال سے اس عمارت کے تشخص اور وجود کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اب آج ان میں سے کسی ایک آدھ اینٹ کو درمیان سے ہٹانے کی کوشش کرنا، پوری عمارت کو نقصان پہنچانے کے بالکل ہم معنیٰ ہے۔

قربانی اور حج

مسلمان کو دنیا میں ایک عظیم مشن دے کر روانہ کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان حق کی روشنی کو عالم کے چپے چپے میں پہنچائے اور ہر انسان تک ہدایت کے راستوں کی تبلیغ کرے۔ پھر کوئی شخص اپنے مشن کی کماحقہٗ خدمت نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اس میں اپنے مشن کے لئے فداکاری اور ایثار کا جذبہ نہ پیدا ہو جائے۔ مسلمانوں میں یہ جذبہ ان عبادات کے ذریعے پیدا کیا جاتا ہے۔ جو اسلام نے ہمارے لئے مقرر کی ہیں۔ یہ عبادات ہمارے دلوں میں فداکاریت اور ایثار کے مختلف شعبوں کو نشوونما دیتی ہیں۔ مثلاً نماز ہمیں سکھاتی ہے کہ اپنے اللہ سے کئے ہوئے وعدوں کو ہر روز دہرانے کے لئے کچھ وقت نکالنا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک نماز کا پابند مسلمان، نماز کا وقت ہونے پر قیمتی سے قیمتی مصروفیت چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضر ہو جاتا ہے گویا نماز ہمیں وقت کی قربانی کی تربیت دیتی ہے۔ اس کے بعد زکوٰۃ ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنے سرمایوں کا ایک حصہ ضرور قربان کرنا چاہیئے۔ روزہ اس بات کی تربیت دیتا ہے کہ مسلمان کو اپنے مقصد کی مہم میں کبھی کھانے پینے اور جائز لذات

کو بھی قربان کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے حج آکر یہ سمجھاتا ہے۔ کہ دین خداوندی کی راہوں میں کبھی کبھی اہل وعیال سے نکل کر مسافری اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اور خود بخود ہی گھر سے بے گھر غریب الدیار بن جانا پڑتا ہے۔

اس طرح وقت کا ایثار، مال کا ایثار، خورد و نوش کی لذتوں کا ایثار، اہل وعیال کا ترک، اور وطن کا ایثار ہمیں نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج نے سکھا دیا۔ لیکن بات یہاں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ خدا کے دین کو سر بلند کرنے والی، اور اللہ کی خوشنودی کو دنیا میں پھیلانے والی قوم کے لئے کبھی ناگہ ایثار کا وہ مقام بھی سامنے آجاتا ہے جو گذشتہ تمام ایثار سے آگے کا مرحلہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب کلمۂ حق سنانے کے لئے جان کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ اس وقت بھی چراغ صداقت کے پروانے حق کے پرچم لہرانے کے لئے آگے ہی آگے بڑھتے ہیں۔ اور اپنی پیاری امانت پر جانیں نچھاور کرنے سے دریغ نہیں کیا کرتے۔ یہ ایثار کی سب سے آخری اور سب سے کٹھن منزل ہے۔ لیکن جب تک کوئی اُمت اپنے مقاصد حیات کے عشق میں اس آخری ایثار کی استعداد نہ رکھتی ہو، اس وقت تک وہ کامیابی کے اعلیٰ ثمرات تک کبھی نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا مسلمانوں میں ایثار کے اس آخری نکتے کی علامت کے لئے اور اس مقام کی یاد تازہ رکھنے کے لئے قربانی کی سنت کو جاری کیا گیا۔ پھر چونکہ اس نکتۂ منتہائے ایثار کا پیدا ہونا ایک مشکل امر تھا۔ اس لئے فریضۂ قربانی کو ایک ایسے تصور کے ساتھ پیش کیا گیا۔ جس سے قربانی کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ تصور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی یادگار منانے کا ہے۔ اسی طرح قربانی کا ایک تعلق اس ماحول کے ساتھ جوڑ دیا، جو حج کے موقع پر

پروانگانِ اسلام میں اُبھرا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی قربانی کی ایک نوع (ہدایا) حج میں شامل رکھی
تاکہ قربانی کا اثر اور سبق زیادہ واضح ہو جائے۔
دیکھئے حاجی گھر کو چھوڑتا ہے۔ سفر کی تکلیفات اور پریشانیاں اختیار کرتا ہے
بے سلی چادروں میں لپٹا رہتا ہے۔ اس کے بال بکھر جاتے ہیں، بالوں، کپڑوں اور
جسم پر گرد و غبار پڑ جاتا ہے۔ گویا یہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اپنے پیارے مقصد
کی راہ میں زندگی کے تمام مزے تج دیئے ہیں۔ بس وہ اس ہی حال میں دیوانہ وار
کبھی بیت اللہ سے لپٹتا ہے کبھی صفا مروہ کے درمیان دوڑتا ہے۔ اور کبھی
عرفات کو چل دیتا ہے۔ اور یہ ساری مستانہ وار تگ و دو صرف اپنے مقصد کی محبت کے
لئے کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ جب جد و جہد اور سعیِ پیہم کی باقی تمام منزلوں سے فارغ ہو
گیا۔ تو آخر میں ایک جانور لٹا کر، اللہ کے نام کے ذکر کے ساتھ ذبح کر دیا گیا۔
اس طرح حج والی قربانی کو تمام ارکان حج سے آخر میں رکھ کر یہ بتلایا ہے۔ کہ اللہ کی
راہ میں کی جانے والی کوششوں، اور حق کی محبت کے لئے اختیار کی جانے والی
تگ و دو کے تمام مرحلوں میں سے آخری مرحلہ جان کی قربانی کے لئے تیار رہنا
ہے۔ اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی گویا تمام اعمالِ حج کا نکتۂ انجام ہے اور
سارے حج کا نچوڑ ہے۔
اب یہاں پر ایک سوال پڑتا ہے کہ اسلام ایک آفاقی دین ہے اور اس کا مزاج زمین
کے کسی ایک ٹکڑے کے ساتھ پابند نہیں کیا گیا۔ اسی لئے اسلام کی تمام عبادات
آفاقی اور عالمگیر شان کی حامل ہیں۔ یعنی وہ زمین کے ہر خطے پر ادا کی جاتی ہیں لیکن کیا وجہ
ہے کہ حج کی عبادت کو مکہ اور حرم کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ بات اسلامی

رُوح کے منافی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی اسلام تمام معشر انسانیت کا دین ہے۔ لہٰذا وہ ہمہ گیر اور عالمی خصوصیات کا حامل ہے۔ اور یہی رنگ اس کی تمام عبادات میں بھی نظر آتا ہے۔ لیکن ہر زندہ ملت کے لیئے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پوری ملت کو اس مرکز سے محبت اور تعلق کا گہراؤ پیدا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے ابراہیمی کعبہ اس امت کا مرکز قرار دیا۔ اور اس سے تعلق مستحکم کرنے اور قائم رکھنے کے لیئے وہاں کے حج و زیارت کو عبادت قرار دیا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ حج کو ایک مقامی قسم کی عبادت ہی بنایا جا سکتا تھا۔ مگر بایں ہمہ اسلام کے حکیمانہ نظام نے حج کو بھی صرف مقامات خاصہ سے ہی متعلق نہیں رہنے دیا۔ بلکہ غور کیا جائے تو حج کی اصل رُوح کو آفاقی اور عالمگیر ہی رکھا گیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ قربانی کی عبادت جو تمام ارکان حج میں سے آخری رکن ہے۔ سفر حج کی آخری منزل ہے۔ قانونِ حج کی تمام پابندیوں کی آخری حد ہے اور سارے حج کا عطر و خلاصہ ہے۔ اُسے دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے عام اور آفاقی رکھا گیا ہے۔

گویا قربانی کے عام ہونے کی وجہ سے دنیا کے ہر گوشے کے مسلمان ایثار و فدا کاری کی اس تعلیم میں ایک لحاظ سے شریک ہو جاتے ہیں۔ جس تعلیم کو حاجی لوگ مقامات محترمہ میں پہنچ کر حاصل کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس عام قربانی کے لئے سارے احکام و مسائل وہی ہیں جو حاجیوں کی قربانی کے لئے ہیں۔ بلکہ حاجیوں کے بعض خاص احکام بھی ان مسلمانوں کے لئے جاری کر دیئے گئے ہیں۔ جو زمین کے کسی حصے میں بھی ہوں اور قربانی ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مثلاً حضورؐ نے فرمایا۔

اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ فَاِنْ اَرَادَ اَحَدُكُمْ اِنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَمَسّ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا بَشَرِهٖ شَيْئًا۔

جب ذی الحج کا پہلا عشرہ (دس دن) آ جائے۔ پس اگر تم میں سے کسی نے قربانی ادا کرنی ہو، تو وہ اپنے بال وغیرہ نہ کاٹے"

(کتاب الام ج ۲ ص ۲۰۲)

اب یہ حکم حاجیوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ایام حج میں بال اور ناخن وغیرہ نہیں کرتے لیکن اس حکم کو ہر اس مسلمان کے لئے بھی شارع نے جاری فرمایا۔ جو اپنے گھر میں ہی مقیم ہو۔ لیکن قربانی ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ معلوم ہوا کہ اللہ سے محبت، وارفتگی اور تسلیم و ایثار کے جیسے جذبات حج سے پیدا کرنے مقصود ہیں، شارع کی نظر میں ویسے ہی جذبات، عباداتِ قربانی سے بھی مقصود مطلوب ہیں۔ حج اور قربانی کے اس تعلق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، کہ مقصد اور منشاء کے لحاظ سے یہ قربانی دراصل ایک حجِ صغیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو بڑے حج کا نائب بنا کر تمام مسلمانانِ عالم کے لئے عام رکھی گئی۔ تاکہ اسلام کی دیگر عبادات کی طرح حج کے اثرات و فیوض بھی آفاقی اور عالمگیر بن جائیں۔ اور جن دنوں میں حاجی لوگ ارکانِ حج سے فارغ ہو کر حرم میں قربانی ذبح کر کے اپنے خدا کے حضور اپنی انتہائی وارفتگی اور فداکاری کا عہد پیش کر رہے ہوں۔ بالکل ٹھیک اُنہی دنوں اور اُن ہی ساعتوں میں مشرق و مغرب کے تمام مسلمان بھی اپنی اپنی بستیوں میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی قربانی کے جانور ذبح کر رہے ہوں۔ اور جو عظیم القدر عہد اس قربانی کے رنگ میں سرزمینِ حرم پر پیش کیا جا رہا ہو۔ وہی عہد اسی قربانی کے رنگ میں عرب و عجم کے ہر حصے پر ساری ملتِ اسلامیہ کی طرف سے بھی پیش کیا جا رہا ہو۔ یہی وجہ بھی کہ قرآن نے قربانی کے احکام سورۂ حج کی آیات میں حج کے احکام کے ساتھ ملا کر بیان

فرماتے ہیں. لیکن سطحی نظر کے لوگوں نے اس سے یہ بات پیدا کرنے کی کوشش کی، کہ قربانی بھی صرف حاجی کے لیئے ہی ہے. ؎

خود ہی گلچیں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

نوٹ:۔ اسلامی عبادات یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور قربانی میں جو ترتیب اور فلسفہ مضمر ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے دینِ حنیف کی بنیادیں ایثار و تصدق اور تسلیم و رضا پر رکھی گئی ہیں اور یہ تمام عبادات دراصل ایثار اور فداکاری کے مختلف مرحلوں کی علامات بنائی گئی ہیں۔ جن میں سے آخری منزل تسلیمِ جان ہے۔ اور اس کی علامت قربانی کی عبادت میں رکھدی گئی ہے۔ اب اس کا عملی مفہوم یہ ہے کہ مسلمانانِ عالم ساری دنیا کے سامنے اپنی ان عبادات کے رنگ میں خدا سے کیئے ہوئے تسلیم و رضا کے اس عہد کو دہراتے رہتے ہیں جو نماز سے لیکر قربانی تک کی تمام عبادات میں جھلکتا ہے۔ گویا اسلام نے دنیا میں اپنا مزاج صاف صاف بتا دیا ہے کہ اللہ کے دین کو اُن سرفروش انسانوں کی ضرورت ہے جو فدائیت اور جانسپاری کے ہر مرحلے سے گزر سکتے ہوں۔ ؎

قبائے لالہ خونیں قبائے ست
کہ بر بالائے مرداں زیب دارد

چنانچہ جب دنیا میں اسلام کے نظامِ عبادات کی روح کو سمجھنے والے لوگ موجود تھے تو اسی نماز اور قربانی سے سنتِ شبیری بھی جنم لیا کرتی تھی۔ سنہ ۶۰ھ کے ماہ ذی الحج میں جب عالمِ اسلام کے مسلمان حج اور قربانی کے لیئے حرمِ مکہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تو اس وقت حرم کا شہزادہ قربانی کی حقیقت کی لاج رکھنے کے لیئے عراق اور کربلا کے میدانوں

کی طرف سفر فرمارہا تھا۔ اور آج بھی زمانے میں ہر سال ذی الحج اور محرم کے دونوں مہینے ہمیشہ ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ لیکن اب مسلمانوں کو ذی الحج اور محرم کی قربانیوں میں پائی جانے والی ترتیب کون یاد دلائے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

بلکہ آج مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری اور ان کی دینی بصیرت کے فقدان کا یہ عالم ہے، کہ اب انہیں اپنے اُن ملی شعائر ہی پر شک گزرنے لگا ہے۔ جو تسلیم و رضا کی تربیت کے لیئے اسلام نے مقرر فرمائے تھے۔ یعنی اطاعت و تسلیم اور فداکاری و سرفروشی کی رُوح تو اس اُمت سے رخصت ہو ہی چکی ہے۔ صرف چند علامات باقی ہیں جو اس سوئے ہوئے مسافر کو جب کبھی وہ جاگنا پسند کرے، اس کی منزل کا سُراغ بتا سکتی ہیں۔ لیکن لوگ چاہتے ہیں کہ ان غافل کارروائیوں سے ان کی موحدانہ و مسلمانہ علامات و شعائر بھی چھین لی جائیں۔ تاکہ اگر کبھی بالفرض یہ قافلہ جاگے بھی تو اس کی منزل دکھانے والے سارے چراغ دنیا میں بُجھ چکے ہوں۔

نماز اور قربانی

قرآن حکیم نے سورۂ انعام اور سورۂ کوثر[۱] میں قربانی اور نماز دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا ہے اور دونوں مقامات پر نماز قربانی سے مُقدّم ہے۔ اور قربانی کا ذکر آخر میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور قربانی میں کچھ تعلق ہے۔ اس تعلق کو کئی پہلوؤں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

---

[۱] نیز سورۂ حج میں بھی قربانی کی آیات میں نماز کا ذکر موجود ہے۔ دیکھئے حج: ۳۵، ۳۶

بندہ جب اللہ کے دین کو اختیار کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں ایثار و تسلیم کا عہد قبول کرتا ہے تو اس کا پہلا نکتہ نماز ہے اور آخری نکتہ قربانی۔ کیونکہ نماز، ایثار کے اس مقام کی علامت ہے۔ کہ یہ بندہ اللہ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے اپنی مصروفیات ترک کر سکتا ہے اور خدا کے لئے کچھ وقت دے سکتا ہے۔ مگر قربانی ایثار کے اس اعلیٰ نکتے کا نشان ہے کہ یہ بندہ، خدا کے دین کے لئے، وقت آنے پر، اپنی جان عزیز بھی قربان کر سکتا ہے۔ اس طرح نماز اور قربانی دو ایسے کنارے ہیں، جن کے درمیان محبتِ الٰہی کی سرشاریوں کا دریا بہ رہا ہے، اب بندہ مومن کا اعلان یہ ہے کہ میری نماز اور میری قربانی اللہ کے لئے ہے یعنی میں اللہ کی راہ میں، ابتدا سے انتہا تک، ایثار کے سب مرحلے طے کرنے کے لئے تیار ہوں اور وقت کی قربانی سے لے کر جان تک کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔

نماز اور قربانی کا دوسرا تعلق، جو قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ نماز میں چونکہ کچھ حرکات و سکنات اور قیام و قعود وغیرہ شامل ہیں اور یہ زندگی کی سرگرمیوں کے اشارے ہیں یعنی بندۂ مومن کی نشست و برخاست اور اٹھنا بیٹھنا تک اللہ کے لئے ہے۔ لہٰذا نماز زندگی کی حالت کی ترجمان ہے یعنی مومن کی زندگی کی سرگرمیاں اللہ کی راہوں میں ہوں گی۔ لیکن قربانی میں چونکہ ایک جان قربان کی جاتی ہے لہٰذا وہ زندگی کے انجام کی یعنی موت کے وقت کی ترجمان ہے۔ گویا نماز اللہ کے لئے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی اللہ کے لئے ہے اور قربانی اللہ کے لئے ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ موت بھی اللہ کیلئے ہوگی۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (انعام: ۱۶۳)

کہہ دو کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے

دیکھئے قرآن حکیم نے پہلے دو لفظ "صلوٰتی" اور "نسکی" بولے اور پھر آگے اسی ترتیب سے دو لفظ "محیای" اور "مماتی" استعمال فرمائے اس سے صاف مذہبی فلسفہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز زندگی کا مظہر ہے اور قربانی موت کا پھر چونکہ زندگی پہلے ہے اور موت بعد میں، اس لئے قرآن میں ہر جگہ نماز کا ذکر مقدم ہے اور قربانی کا مؤخر ——— اسی لئے حضور نے عید قربان کے دن پہلے نماز کا اور بعد میں قربانی ادا کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک مسلمان نے عرض کی، کہ حضور میں نماز سے پہلے ہی قربانی کر چکا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا تم دوبارہ قربانی کرو۔ معلوم ہوا حضور کا منشا یہ تھا کہ قربانی کی حقیقت اور اس کے فلسفے سمجھنا ضروری ہے جس نے نماز سے پہلے قربانی ادا کی وہ قربانی کے اصل مقام سے آگاہ نہیں ہے، لہذا اُسے دوبارہ قربانی ٹھیک اپنے وقت پر ادا کرنی چاہیئے۔

سورۂ حج کی آیات میں قربانی کی حکمتوں کے اشارے

سورۂ حج کی وہ آیات، جو قربانی اور حج کے مسائل سے متعلق ہیں، وہ پیشتر "قربانی اور قرآن" کی فصل میں درج ہو چکی ہیں، یہاں دوبارہ صرف ان الفاظ کی طرف توجہ دلائی جائے گی۔ جن سے قربانی کی دینی حکمت اور اس کے اثرات پر روشنی پڑتی ہے، دیکھئے مذکورہ آیات میں قربانی کا ذکر اس طرح شروع کیا گیا ہے

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (حج: ۲۸)

اور ان معلوم دنوں میں (دس سے بارہ ذی الحجہ تک) اللہ کا نام ذکر کریں، ان مویشیوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیے ہیں۔

یہ الفاظ قربانی کا حکم بھی سنا رہے ہیں اور ساتھ ہی قربانی کی غایت بھی بیان کر رہے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محض اپنے فضل سے یہ مویشی عطا فرمائے ہیں، لہٰذا اس عطیے کا شکریہ اسی عطیے کی مناسبت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں کی زندگیاں انسان کے لئے پیدا کی ہیں، اب انسان اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے جب ان کو ذبح کرے تو اسی اللہ کے نام پر ذبح کرے، جس نے یہ عطیہ عطا فرمایا ہے، پھر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کا یہ طریق، جو اسلام نے مقرر کیا، ایک طرف بندوں کے افعال و افکار کو شائباتِ شرک سے بچا دیتا ہے اور دوسری طرف، ان تمام وحشیانہ، موذیانہ اور ظالمانہ افعال کو ختم کرنے والا ہے، جو جانوروں کے ذبح کرنے سے متعلق زمانہ جاہلیت کا انسان کیا کرتا تھا، مثلاً زندہ جانور کا کوئی حصہ کاٹ کر بھون لیا جاتا اور جانور کو تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ یا یہ کہ جانور کو کسی درخت وغیرہ سے باندھ کر اس پر تیر دل کے نشانے کی آزمائش کی جاتی، اور جانور کے تڑپنے پھڑکنے پر تفریح کے قہقہے فضا میں بلند ہوتے، اسلام نے ان ساری بد تہذیبیوں کا علاج، صرف ایک بات سے کر دیا کہ جانوروں کو اللہ کے نام پر ذبح کرو۔ ظاہر ہے کہ جب بندہ اللہ کے نام پہ جانور کو قربان کرے گا، تو خود بخود سارے

کہاں ہیں شائستگی اور رحم کا جذبہ ابھر جائے گا۔ مگر ضرورت اس بات کی تھی کہ اس فعل اور اس تصوّر کو عبادت کا رنگ دیا جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں ہمیشہ کے لیے رچ بس جائے اور آیندہ کبھی شرک کا کوئی شوشہ یا ظلم اور وحشت کا کوئی شمّہ دنیا میں واپس نہ لوٹے اور یہ مقصد فریضۂ قربانی سے حاصل ہوتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قربانی کے تصوّر نے ذبیحے کا سارا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے، کہاں وہ کہ جانور کو تیر اندازی کا نشانہ بنایا جاتا! اور کہاں یہ کہ مسلمان کے سامنے قربانی کا ذبیحہ ہے، وہ چھری کو تیز کرتا ہے تاکہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ پھر اسے پانی پلاتا ہے اور پیار کی تھپکی، اس کی پیٹھ پر پھیرتا ہے جہاں جانور لٹایا جائے گا، وہ جگہ کنکروں کانٹوں سے صاف کر لیتا ہے۔ قربان جایئے اللہ کے اس پیارے نام کی قربانی پر جو دلوں کو اس قدر رحمت اور دردمندی سے معمور کرتی ہے اور انسانیت و شائستگی کا اعلیٰ مقام سکھاتی ہے یہ ہے اس حکم کا فلسفہ کردہ مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں" (حج : ۲۸)

پھر اس آیت کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۲۸ (حج : ۲۸)

پس ان قربانیوں میں سے خود کھاؤ اور حاجت مند فقرا کو بھی کھلاؤ،

زمانۂ جہالت میں انسان قربانی کے جانور ذبح کرنے کے بعد ان کے گوشت وغیرہ کو اپنے استعمال میں نہ لاتا تھا۔ مگر قرآن نے اس وہم کو دور فرمایا، اور حکم دیا کہ یہ مویشی تمہاری ہی غذا اور تمہارے ہی فوائد کے لئے پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا قربانی کے بعد ان کے گوشت اور دیگر اجزا کو اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے استعمال

میں لاؤ اور کسی چیز کو رائیگاں نہ جانے دو" اس کے بعد آگے آیت ۳۲ میں قربانی کی حقیقت اور اس کے دینی اثرات کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ۳۲ لَکُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّھَآ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ۳۳ (حج: ۳۲، ۳۳)

اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے سو یہ بات دل کے تقویٰ سے ہوتی ہے ۳۲ تمہارے لئے ان مویشیوں میں ایک معلوم مدت تک فوائد ہیں پھر ان کا مقام خانہ کعبہ کی طرف ہے۔" ۳۳

قربانی کی اہمیت سے روگردانی کرنے کے لئے بعض لوگ کہتے ہیں" اللہ کے شعائر" سے مراد حج کے مقامات محترمہ وغیرہ ہیں، مگر یہ بات دو طرح سے قابل غور ہے۔ پہلے یوں، کہ حج کے مقامات محترمہ یا ارکان حج وغیرہ کا ذکر اس آیت سے پہلے آیت نمبر ۳۰ میں آچکا ہے۔ دیکھئے:-

وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰہِ فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ (حج: ۳۰)

اور جو اللہ کی احترام والی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے سو یہ اس کے لئے بہتر ہے

لہٰذا دوبارہ تکرار کا کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آتا اور دوسرے یوں کہ اس آیت ۳۲ میں شعائر سے مراد قربانیوں کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ دوسرے فقرے میں انہی شعائر کی طرف ضمیر لوٹاتے ہوئے فرمایا" لَکُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ اِلٰٓی اَجَلٍ" تمہارے لئے ان میں ایک مدت تک فوائد ہیں"۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات صرف قربانی کے جانوروں کے متعلق ہی کہی گئی ہے۔ لہٰذا" شعائر الٰہی" سے مراد بھی قربانیاں ہی ہیں (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)، اس لئے کہ فیھا کی ضمیر اور شعائر

دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہو سکتی ہے:

اب ان آیات میں قربانی کے متعلق مندرجہ ذیل باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:-

۱۔ قربانی، اللہ کے شعائر میں سے ہے

۲۔ لہٰذا اس کی تعظیم کرنی چاہیئے

۳۔ ان شعائر خداوندی کی تعظیم دل کے تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے

۴۔ تمہارے لئے ان جانوروں سے صرف ایک معلوم وقت تک فائدہ اٹھانا جائز ہے

ان امور میں سے قربانی کے "شعائر اللہ" ہونے کی تشریح آگے آیت نمبر ۳۶ میں آئے گی، یہاں باقی تین چیزوں کی وضاحت عرض کی جاتی ہے۔

قربانی کی تعظیم:

یہاں قربانی کو "شعائر اللہ" قرار دے کر اسکی جس تعظیم کی رغبت دلائی گئی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ جانور کے جسم میں کوئی شانِ الوہیت سرایت کر جاتی ہے، لہٰذا اس کی تعظیم لازم ہے، دراصل اس تعظیم کا یہ مفہوم ہے کہ اس قربانی کو محض سرسری اور سطحی نظر سے نہ دیکھا جائے، کہ جی بس قربانی ہی تو ہے کہ ایک جانور پکڑا اور اسے چھری سے ذبح کر ڈالا۔ بلکہ قربانی کے اس نظام کو، ایک عظیم دینی نشانی سمجھے، اس کی اہمیتوں اور حکمتوں پر غور کرے اور اس میں طاعت و رضا کی جو روح پائی جاتی ہے، اس کو انتہائی عظمت کی نگاہ سے دیکھے۔ دراصل اس عظمت

۱؎ نیز انہی آیات میں ذرا آگے چل کر صراحت سے قربانیوں کو "شعائر اللہ" فرمایا گیا ہے: دیکھئے
وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (حج: ۳۶)

کی تشریح کے لئے قومی پرچم کی مثال نہایت مناسب ہے، ہمارا قومی جھنڈا بظاہر چار گرہ کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے اور محض کپڑا ہونے کی رُو سے دیکھا جائے تو اس میں کسی اہمیت یا عظمت کی گنجائش نہیں نکل سکتی، لیکن اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ قوم اور ملّت کے عزّ و وقار کا نشان ہے، لہذا یہ عظمت اسلامیہ کا واقعی حقدار ہے، قرآن سے قربانی کے متعلق بھی کچھ ایسا ہی تصوّر ملتا ہے، چنانچہ پہلے اُسے شعائر کہا ہے اور پھر اس کی عظمت کی ترغیب دلائی ہے اور ہمارے اسلاف بھی قرآن سے یہ تصوّر سمجھتے تھے، دیکھئے امام رازی لکھتے ہیں:۔

اَنْ یَّعْتَقِدَ اَنَّ طَاعَةَ اللهِ فِی التَّقَرُّبِ بِهَا . . . . اَمْرٌ عَظِیْمٌ ۝ کبیر ج ۶، ص ۱۸۳	یہ اعتقاد رکھے کہ قربانی کے پیش کرنے میں جو طاعت پائی جاتی ہے، وہ امر عظیم ہے۔

یہاں امام صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو، کہ اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانوروں کے بارے میں تعظیم کی رغبت پر اتنا زور کیوں دیا ہے۔ تو اسے چاہیئے کہ وہ ان آیات میں غور کرلے، اور پھر یہ آیات لکھ دی ہیں " لَکُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ . . . تا یُنْفِقُوْنَ ۝ یعنی حج آیت نمبر ۳۳ سے آیت نمبر ۳۵ تک ؛

علامہ ابوالسعود کے الفاظ یہ ہیں :۔

وَتَعْظِیْمُهَا اعْتِقَادُ اَنَّ التَّقَرُّبَ	اور ان قربانیوں[1] کی تعظیم یہ ہے کہ بادہ

[1] علامہ محمد نووی شتمی نے بھی اپنی تفسیر "مراح لبید" میں بالکل یہی الفاظ لکھے ہیں۔ مراح لبید ۲ ص ۵۳

بِهَا مِنْ اَجَلِّ الْقُرُبَاتِ — اعتقاد رکھتا ہو کہ اسے پیش کرنا ایک بہت
(تفسیر ابی السعود ج ۷ ص ۱۲۶ علی ہامش الکبیر) — بڑی عبادت ہے۔

قربانی اور تقویٰ:

پھر یہ فرمایا کہ ان شعائر یعنی قربانیوں کو عظمت کی نظر سے دیکھنا دل کے تقویٰ سے ہے۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ایسی دینی چیزوں کو اہمیت و عظمت کی نگاہوں سے وہی دیکھا کرتے ہیں ———— جن کے دل تقویٰ الٰہی سے معمور ہوتے ہیں اور یہ حقیقت کہ جب تک انسان کا دل، اللہ کے دین کے بارے میں متقی اور پاک و صاف نہ ہو، اس وقت تک دینی عبادات و شعائر کی گہرائی تک پہنچنا نہایت مشکل ہوتا ہے، کیونکہ دینی نظام کا تعلق صرف ذہن اور دماغ کے ساتھ ہی نہیں، بلکہ اس کا عظیم تعلق سینے اور جگر کے ساتھ بھی ہے۔ جو شخص دل اور جان کو الگ رکھ کر، صرف عقل اور ذہانت کے زور سے حضور کی شریعت کو سمجھ کو پانا چاہتا ہے، اسے یہ یاد رکھنا چاہیئے ع

جس کو ہوں جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں!

اور اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ قربانی کی عبادت کو عظمت و احترام سے دیکھنا اور اسے اس کی اصل حقیقت کے ساتھ ادا کرنا، اس سے دل میں تقویٰ زیادہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ دینی امور سے جتنا لگاؤ بڑھتا جائے گا، دل کی کیفیت اتنی ہی اچھی ہوتی چلی جائے گی۔

قربانی کے جانور کی ایک خصوصیت: اسی طرح قربانی کے جانوروں کی ایک

خصوصیت یہاں یہ بیان فرمائی ہے کہ تم ان سے ایک مدت معلومہ تک فائدہ اٹھا سکتے ہو، اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک کسی جانور کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیئے خاص نہ کر دیا ہو، اس وقت تک اس سے ہر قسم کے فوائد حاصل کرنا ہمارے لیئے جائز ہیں۔ مثلاً اس کا دودھ پی سکتے ہیں، اون کتر سکتے ہیں۔ سواری کر سکتے ہیں اور بوجھ لاد سکتے ہیں۔ لیکن جب یہ طے کر لیا کہ یہ جانور خدا کی راہ میں قربان کرنا ہے، تو اب اس کے یہ تمام فوائد ہمارے لیئے منع ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر اس جانور کا دودھ[1] دوہنا پڑے، تو اسے خیرات کرنا ضروری ہوگا۔ اسی طرح اب اس جانور کی سواری اور اس پر بار برداری بھی شرعاً جائز نہ رہی۔ مگر ایسی صورت مستثنیٰ ہوگی۔ جب کہ جانور سے اللہ کی راہ میں ہی فائدہ حاصل کیا جائے۔ مثلاً حاجی حج کی راہ میں ہے اور قربانی کا جانور ساتھ ہے، اب اگر وہ سواری کے لیئے مجبور ہو جائے تو چونکہ یہ سواری اللہ کی راہ ہی میں ہے۔ اس لیئے جائز ہوگی :

قربانی کے جانور کے لیئے یہ خاص قانون جو رکھا گیا ہے، اس میں غور کرنے سے بندۂ مومن کے لیئے ایک عجیب سبق نکلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے قربانی کے جانور، اللہ کی طرف منسوب ہونے سے پہلے ایک عام جانور کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے ہر طرح کے فوائد و منافع حاصل کر لینا جائز ہے۔ لیکن اللہ کے نام کے ساتھ خاص ہو جانے کے بعد، ان سے عام فائدے نہیں اٹھائے جا سکتے، ما سوا ان

---

[1] بعض اوقات دودھ نہ دوہنے سے جانور کی بیماری کا اندیشہ ہوتا ہے ایسی شکل میں دودھ دوہ کر اللہ کی راہ میں خیرات کر دینے کا حکم ہے :

ضرورتوں کے جو راہ خدا سے متعلق ہوں، بالکل ٹھیک یہی کیفیت ایک بندۂ مومن کی بھی ہونی چاہیئے۔ کہ جب سے وہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر چکا ہے۔ اس کے بعد سے اب اسے صرف انہی مقاصد کے لیئے صرف ہونا چاہیئے، جو خدا کی راہوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہاں جن لوگوں نے اپنی باگ ڈور اللہ اور اس کے رسول کے ہاتھ میں نہیں دی ہے۔ وہ جس وادی میں چاہیں بھٹکتے پھریں۔ ان کے لیئے تو یہ بھٹکنا زیب دیتا ہے۔ لیکن ملت مسلمہ کے افراد کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا، کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اپنی نسبت کا اعلان بھی کرتے ہوں۔ اور پھر دنیا میں باطل اور طاغوت کو اپنی کمر پر سواری کی اجازت بھی دیتے ہوں۔ اس طرح ان آیات میں قربانی کو شعائر الٰہی میں سے قرار دیا گیا ہے۔ اور پھر اس کی تعظیم کی رغبت دلائی ہے۔ نیز یہ کہ ان کو عظمت کی نگاہ سے دیکھنا، دل کے تقویٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور پھر آخر میں یہ فرمایا کہ اللہ کے نام کی طرف منسوب ہو جانے کے بعد ان جانوروں سے عام قسم کے فوائد حاصل کرنا جائز نہیں رہتا۔ اب آگے سورۂ حج کی آیت نمبر ۳۴ اور ۳۵ کا بیان کیا جاتا ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَ	اور ہم نے ہر مومن امت کے لئے قربانی مقرر کی تاکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں (انہیں قربانی کریں) پس تمہارا معبود ایک ہی خدا ہے۔ سو اسی کے لئے جھک جاؤ۔ اور ان فروتن بندوں کو خوشخبری سنا دو کہ جن کے دل اللہ کے ذکر پر ڈر جاتے

...بِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَ ...نِیْمِی الصَّلٰوۃِ لا وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ ...فِقُوْنَ ○ (حج: ۲۲ / ۳۴ تا ۳۵)

ہیں۔ اور جو پیش آنے والی مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

یہ وہی آیات ہیں جن کے متعلق امام رازی لکھتے ہیں کہ ان میں غور و فکر کرنے سے ...ی کے اسرار تم پر کھل سکتے ہیں۔ اور ان آیات میں قربانی کے متعلق بہت سی ...یں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جو تقریباً یہ ہیں:-

۱۔ ہم نے ہر مومن گروہ کے لئے قربانی مقرر کی۔ ۲۔ قربانی اس لئے مقرر کی کہ لوگ ...ر کے عطا کردہ مویشیوں پر اللہ کا نام بلند کریں۔ ۳۔ پس تم سب کا خدا ایک ہی ...ہے۔ ۴۔ لہٰذا تم اس کے سامنے جھک جاؤ۔ ۵۔ اللہ کی طرف سے خوشخبری ان ...وں کے لئے ہے جن کے دلوں میں اللہ کے ذکر سے رقت پیدا ہو جاتی ہے۔ ۶۔ ...ر جو صبر کرنے والے ہیں (۷) اور جو نماز قائم رکھنے والے ہیں۔ (۸) اور جو اللہ کی ...ہ میں خرچ کرنے والے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان آیات میں بیان ہونے والی ...یزوں میں کوئی باہمی ربط بھی ہے یا کہ نہیں۔ اگر ہمارا مسلک یہ ہو کہ آیات قرآنی میں ربط ...لاش کرنا یا ربط کا فی الواقع پایا جانا کوئی ضروری امر نہیں، پھر تو خیر ہے۔ لیکن اگر ہم یہ یقین رکھتے ہوں کہ اللہ کے کلام میں ربط اور نظام ضرور موجود ہوتا ہے۔ تو پھر اس مقام ...پر بھی ہمیں غور کرنا ہوگا۔ کہ ان سب امور کو آپس میں ملانے والی چیز آخر کونسی ہے۔

چنانچہ تدبر کرنے سے یہی بات کھلتی ہے کہ یہاں قربانی کے مضمون کے سوا اور دوسرا کوئی ایسا مضمون نہیں ہے جو ان تمام امور کو ایک نکتے پر جمع کر سکتا ہو نیز سیاق و سباق کی آیات میں بھی قربانی ہی کا مضمون چل رہا ہے۔ دیکھئے

آیت نمبر ۳۳ میں فرمایا کہ تم ان جانوروں سے ایک خاص وقت تک فائدے حاصل کر سکتے ہو۔ اور آگے آیت نمبر ۳۶ میں یہ الفاظ ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۔ (حج : ۳۶) اور ہم نے قربانی کے جانوروں کو تمہارے لیے شعائر اللہ قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ آگے اور پیچھے دونوں طرف قربانی ہی کا مضمون جاری ہے۔ لہذا اس پہلو سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ آیات میں بنیادی مضمون قربانی کا ہی بیان ہو رہا ہے۔ لہذا یہ ضروری امر ہے کہ یہاں جو آٹھ امور بیان ہوئے ہیں۔ ان کا باہمی ربط غور کرنے سے ضرور سمجھ میں آجانا چاہیئے۔ چنانچہ دیکھیئے۔

سب سے پہلے تو فرمایا کہ ہم نے ہر مومن امت کیلئے قربانی مقرر کی۔ پھر اس فریضۂ قربانی کی غایت بتلائی ہے۔ کہ تاکہ بندے اللہ کے دیئے ہوئے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں۔ یعنی قربانی شکر نعمت کی ایک خاص شکل ہے۔ اور اس بات کا اعتراف ہے کہ ان جانوروں کو پیدا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ البتہ اس نے یہ مویشی ہمارے زیر اختیار کر دیئے ہیں۔ لہذا ان کے قربان ہونے کے وقت صرف اسی خالق اور مالکِ حقیقی ہی کا نام مذکور ہونا چاہیئے۔ قربانی اور اس کی یہ غایت بیان کر کے پھر فرمایا فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (حج : ۳۴) پس تمہارا خدا وہی خدائے واحد ہے"۔ اس فقرے کو قربانی کے مضمون سے یہ تعلق ہے کہ پیچھے فرمایا ہم نے ہر مومن امت پر قربانی مقرر کی۔ مثلاً انبیائے بنی اسرائیل کی شریعتوں میں بھی اور بنو اسمٰعیل کے خاندانوں میں بھی بلکہ ان سے پہلی امتوں میں بھی قربانی کی کوئی نہ کوئی

عمل جاری رہی۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے ذریعے سے آنے والی
ہدایات کا مرکز ایک ہے۔ کیونکہ تمام شرائع کے مزاج میں ایک تطابق سا نظر آتا ہے۔
ان تمہیں معلوم ہو جانا چاہیئے کہ ان سب زمانوں میں مختلف شریعتوں کے رنگ میں انسانوں
کی تربیت اور ہدایت کا انتظام فرمانے والا وہ خدائے واحد ہی ہے۔ چونکہ قربانی کا
مختلف شرائع میں پایا جانا خدائے برحق کی توحید پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا قربانی کے
معنی اثرات میں قرآن حکیم نے اس نکتے کو بھی بیان فرما دیا۔

اس نقرے کے تعلق کو دوسری طرح یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ چونکہ قربانی
قرآن کے نکتہ نظر سے حضرت ابراہیم کی یادگار ہے۔ اور اس میں ان کی اس عظیم القدر
قربانی کی یاد کا تصور بھی موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا قربانی کے جانور کو ذبح کرتے ہوئے
توحید الٰہی کی اس لذت کی طرف توجہ دلا دی ہے جو حضرت ابراہیم کی قربانی کا سرچشمہ
تھی۔ اسی لئے آگے یہ فقرہ ہے:۔

فَلَهُ أَسْلِمُوا (حج، ۳۴) پس تم اسی خدا کے سامنے جھک جاؤ۔

یعنی تسلیم و رضا اور طاعت و سرفگندگی جو قربانی کی اصل روح ہے۔ اسے
مدنظر رکھنے کی تلقین فرمائی ہے اور پھر یہ أَسْلِمُوا اسی صیغے کی ایک شکل ہے
جو سورہ صفٰت میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے لئے استعمال ہوا ہے۔ دیکھئے،

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ۔ پس جب وہ دونوں تعمیل کے لئے جھک
(صفٰت ۱۰۳) گئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا لیا

ان الفاظ کی مشارکت سے بھی قربانی کے پس منظر میں اسی تسلیم و رضا کی جھلکیاں
نظر آتی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا ہے: وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ اور انہیں خوشخبری

سناد۔ بجز تواضع اور عجز کی راہ پر چلتے ہیں۔ چونکہ قربانی سے بھی عجز و تواضع کی کیفیت
دل پر طاری ہوتی ہے۔ لہٰذا قربانی کے اثرات میں اس کا ذکر فرمادیا۔ پھر ساتھ ہی
بھی فرمادی! کہ اس عجز اور فروتنی کا سرچشمہ اللہ کا ذکر ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ ۔ (حج: ۳۵) "وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو دل ہیبتِ الٰہی سے پُر ہوجاتے ہیں۔"

یوں تو اللہ کا ذکر جہاں اور جیسے بھی ہو مومن کو خدا کی عظمتِ شان یاد دلاتا ہے
لیکن خاص کر قربانی کے جانور پر جس ماحول اور جس کیفیت سے "بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر"
کا پُرجلال کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ وہ قلب میں خشیت و انابت کے اثرات پیدا کرنے
ایک خاص اثر رکھتا ہے۔ لہٰذا قربانی کے اثرات میں اس چیز کی طرف بھی اشارہ فر
اور اس کے بعد صفتِ صبر کا ذکر کیا ہے۔

وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ (حج۔ ۳۵) "اور جو لوگ لاحق ہونے والی تکالیف پر صبر کرتے ہیں"

اس صبر کو بھی قربانی سے بڑا تعلق ہے۔ کیونکہ دراصل قربانی بندے میں تسلیم اور را
رضا ہونے کا مقام پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بھی فرمایا:۔

سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ (صٰفّٰت: ۱۰۲) "ابا جان، انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صبر کی صفت بھی قربانی کے اثرات میں سے ایک اثر
اور صفتِ صبر کے ساتھ پھر نماز کا ذکر بھی ہے۔ فرمایا:۔

وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ (حج: ۳۵) "اور جو نماز کو قائم رکھتے ہیں۔"

نماز کے ذکر سے یہاں ربط میں دُگنا لطف پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو صبر اور نماز آپس میں نہایت قریب کے ساتھی ہیں۔ اسی لئے کئی جگہ قرآن ان کو یکجا جمع کرتا ہے اور دوسری طرف خود قربانی اور نماز میں بھی باہمی عظیم رابطہ ہے۔ چنانچہ سورۂ انعام اور سورۂ کوثر دونوں میں نماز اور قربانی کا ذکر ساتھ ساتھ ہے۔ اور ان میں تعلق یہ ہے کہ نماز کے ذریعے ہم اللہ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ہماری زندگی کی سرگرمیاں تیری رضا کے لئے رہیں گی۔ اور قربانی کے ذریعے یہ پیمان باندھتے ہیں کہ ہماری موت بھی تیری ہی راہ میں ہوگی۔ انشاء اللہ۔ لہٰذا جو شخص قربانی کے نظام کی حقیقت کو سمجھے گا، وہ نماز کے اسرار سے بھی ضرور آگاہ ہو جائے گا۔ اس لئے یہاں قربانی کے اثرات میں اقامتِ نماز کو بھی شامل فرمایا ہے۔ اس کے آگے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر کیا ہے۔

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ "اور جو ہمارے دئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں" (حج - ۳۵)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، دراصل ایثار و قربانی ہی کا ایک حصہ ہے۔ اللہ کی راہ میں ایثار کرنے کی ابتدا مالی قربانی سے ہوتی ہے۔ اور اس کا کمال جان کی قربانی پر منتہی ہوتا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ، صدقات، انفاق فی سبیل اللہ اور قربانی یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

ان امور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان آیات میں قربانی کو اس کے اثرات اور متعلقات کے ماحول میں ملا کر پیش کیا گیا ہے۔ یہاں پر قارئین کو چاہیئے کہ وہ سورۂ حج کی ان آیات پر (نمبر ۳۴، ۳۵ پر) دوبارہ نظر ڈالیں، اور سطور بالا میں جو ربط کے اشارے بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی روشنی میں ان آیات کے ٹکڑوں پر گہرا

غور کریں۔

آگے ارشاد فرمایا:۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ (حج: ۳۶)

"اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے شعائر الٰہی قرار دیا ہے۔ تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے"

اس سے قبل آیت نمبر ۳۲ میں بھی قربانی کو "شعائر اللہ" کہا ہے۔ اور اب اس آیت میں دوبارہ نہایت وضاحت سے پھر یہی لفظ ارشاد فرمایا ہے۔ شعائر کا معنی ہے علامات۔ اور عموماً اس لفظ کا اطلاق ایسی علامات پر ہوتا ہے جو کسی حقیقت کی طرف اپنے ظاہر سے نہیں بلکہ باطن سے اور وہ بھی بڑی لطافت اور باریکی کے ساتھ اشارہ کرتی ہوں۔ اس لفظ کا مادہ شعر ہے۔ مادی چیزوں میں بالوں کو شعر کہتے ہیں۔ جو نہایت باریک ہوتے ہیں اور معنوی اشیا میں سے کلام کے حصہ نظم کو شعر کہتے ہیں۔ جس میں انتہائی نادر معانی اور لطیف تخیلات پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا شعائر اللہ ان دینی علامات کو کہا جائیگا جو نہایت ہی لطیف اور مضمر طریقے سے اللہ کی اطاعت کی طرف اشارہ کر رہی ہوں۔ اور بالکل یہی کیفیت قربانی کی بھی ہے۔ بظاہر صرف اتنا نظر آتا ہے کہ بکرا ذبح ہو گیا، خون بہہ گیا اور گوشت کھا لیا گیا اور بس۔ لیکن بہ نظر باطن یہ فریضہ قربانی اطاعت و عبدیت کی ایک پُر تاثیر داستان ہے۔

قربانی کو قرآنی نکتۂ نظر سے اطاعت الٰہی کی علامات اور شعائر اللہ میں سے اس لئے شمار کیا گیا ہے۔ کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام تسلیم و بندگی کی ایک عظیم یادگار ہے۔ دیکھئے سورۂ بقرہ میں صفا مروہ پہاڑیوں کو "شعائر اللہ" فرمایا ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۔ (البقرہ: ۱۵۸) "بے شک صفا و مروہ پہاڑیاں اللہ کے شعائر میں سے ہیں"

اگر یہ صفا، مروہ پہاڑیاں حضرت ہاجرہ کے اس صبر و ثبات کی تاریخ کا مخزن ہیں جو انہوں نے اللہ کی راہ میں اختیار کیا تھا۔ تو یہ قربانی طاعت اور جانسپاری کے اس عظیم منظر کی یادگار ہے جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے حکم خداوندی کی تعمیل میں پیش کیا تھا۔ لہٰذا یہ قربانی دین خداوندی اور ملت حنیف کے شعائر میں سے ہے۔ جو ملت ابراہیمی کے پیروکاروں کو یاد دلاتی ہے کہ تمہارے قائدین وہ تھے جو اپنا جسم اور جان اور جینا اور مرنا سب کچھ اللہ کی راہ میں وقف کر چکے تھے۔ دیکھئے سورۃ انعام میں پہلے ملت ابراہیمی کا ذکر کیا ہے:۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ج (انعام: ۱۶۲) "آپ فرما دیجئے۔ مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی ہے۔ جو دینِ قویم ہے۔ حضرت ابراہیم کی ملت"

۱؎ شعائر کے معنیٰ عربی میں نشان کے ہیں۔ "شعار القوم" - "قوم کا نشان"۔ قومی پرچم کو کہا جاتا ہے۔ ہر ایک قوم اپنے لئے ایک ایسا نشان تجویز کرتی ہے۔ جو اس قوم کی خصوصیات اور روایات کا ترجمان بن سکتا ہو۔ مثلاً اقبال کا یہ مشہور شعر

تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

مگر اسلام نے ان کپڑے کے پھریروں اور نشانوں کے علاوہ ہمیں کچھ ایسے نشان (شعائر) عبادات اور اعمال کے رنگ میں بھی عطا کئے ہیں۔ اور انہی میں سے ایک ممتاز نشان قربانی بھی ہے۔ لیکن جب قومی فکر بیمار ہو تو یہ چیزیں سمجھ میں نہیں آیا کرتیں۔

اور پھر اس کے ساتھ ہی ملّت ابراہیمی کی تشریح میں یہ الفاظ فرمائے :-

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ	فرما دیجئے ! میری نماز اور میری قربانی اور
مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	میری حیات و ممات اللہ ہی کے لئے ہے
(انعام : ۱۶۳)	جو جہانوں کا پالنہار ہے"

دونوں آیتوں کو ملانے سے خود بخود معلوم ہوتا ہے کہ قربانی ملّت ابراہیمی کے شعائر میں داخل ہے ۔ اس لئے قرآن نے فرمایا : جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ ہم نے قربانیوں کو تمہارے لئے " شعائر اللہ " قرار دیا ۔

پھر قربانی کا یہ شعار اس امت کے لئے باعث فخر بھی ہے ۔ کیونکہ یہ اہل کتاب اور اہل اسلام کے درمیان ایک بہت بڑی بحث کا فیصلہ کر دیتا ہے ۔ اہل کتاب کہتے ہیں ۔ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق ہیں ، نہ کہ حضرت اسمٰعیل اور اس غرض کے لئے انہوں نے کتب مقدسہ تک میں تحریف کر ڈالی ۔ لیکن تاریخ نے انہیں صاف جھوٹا ثابت کیا ۔ کیونکہ اس واقعۂ عظمٰی کی یادگار قربانی ہمیشہ ملّت اسمٰعیلی یعنی اہل اسلام میں رہی ہے اور چونکہ اسلام میں نسلی امتیازات کی گنجائش نہ تھی ، اس لئے یہ یادگار عالم کے گوشے گوشے میں آباد ہونے والی ملّت اسلامیہ میں پھیل گئی ۔ اور دوسرا آل اسحٰق یعنی اہل کتاب میں کوئی ایسی یادگار نہیں پائی جاتی جو " ذبیح اللہ " یا " ذبح عظیم " کے واقعہ سے متعلق ہو ۔ معلوم ہوا کہ قربانی ہماری ہی ملّی تاریخ کی ایک عظیم ترین یادگار ہے ۔ جو گواہ ہے کہ ذبیح اللہ ہمارے مورث اعلیٰ حضرت اسمٰعیل ہی تھے ۔ اور وہ ہماری ہی ملّت ہے جس کے قائدین ایسے عظیم اولعزمانہ صبر و ثبات کے پیرو تھے ۔

قربانی کے اسلامی شعار و نشان ہونے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اسلامی قربانی ایسے

تصوّر اور ایسے ماحول میں ادا کی جاتی ہے کہ وہ دینِ حنیف اور توحیدِ الٰہی کا نشان بن جاتی ہے۔ اسلام سے پہلے قربانیاں کیسے ہوتی تھیں۔ کوئی بت خانوں میں قربانی کرتا، کوئی تھانوں پر بچڑے چڑھاتا۔ بتکدے خون سے رنگ جاتے۔ جانوروں کی گردن عزّیٰ وہبل اور لات ومنات[1] کے نام پر کٹتی تھی۔ غرض قربانی شرکیات کا پلندا بن کر رہ گئی تھی۔ مگر اسلام کے آنے سے نقشہ ہی بدل گیا۔ عید قربان کا دن ہے۔ اللہ کے بندے نمازِ عید سے فارغ ہو کر گھروں کو لوٹ رہے ہیں۔ زبان پر اپنے خالق کی بڑائی کا ذکر ہے۔ اور قربانی کا وقت آیا ہے تو جانور قبلہ رخ لٹایا گیا ہے۔ ذبح ہونے والے اور ذبح کرنے والے دونوں کا منہ قبلہ کی طرف ہے۔ چھری چل رہی ہے۔ لب ہل رہے ہیں لیکن عزّیٰ وہبل کا نام نہیں، بلکہ اللہ عزوجل کا نام پکارا جا رہا ہے۔ بسم اللہ اللہ اکبر۔ یہ ہیں ہادیٔ اسلام فداہ ابی و امی کی انقلابی قوت کے کرشمے۔ کہ جو چیز شرک کا نشان بنا دی گئی تھی اسے خدائے واحد کی توحیدِ خالص کا عظیم نشان بنا ڈالا۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۔

آگے آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد فرمایا:۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۚ (حج: ۳۷)

"اللہ کے ہاں قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں جاتا۔ بلکہ اس کے ہاں تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔"

یہاں صاف بتلا دیا کہ قربانی کی اہمیت و عظمت اس کے ظاہری پہلو، گوشت پوست میں نہیں۔ بلکہ مطلوب و مقصود تو اس کا معنوی پہلو ہے جو دلوں میں تقویٰ اور طاعت شعاری

۱۔ مشرکین عرب کے بتوں کے نام ہیں۔

عبدیت کے اثرات پیدا کرتا ہے۔ گویا اگر تم قربانی کی حکمتوں اور اس کے اسرار میں غور کرنا چاہتے ہو تو صرف اسے ظاہری اور مادی نکتہ نظر سے نہ دیکھو بلکہ قربانی کے پس منظر میں تسلیم و تقویٰ کی جو حقیقتیں مضمر ہیں ان پر توقف کرو۔

بعض لوگ اس آیت سے یہ معنیٰ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب اللہ کو گوشت اور خون کی کیا ضرورت ہے، اُسے تو پرہیز گاری مطلوب ہے، لہٰذا دلوں میں پرہیز گاری پیدا کرنی چاہیئے۔ قربانی خواہ ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ معنیٰ قرآنی صراحت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ انہیں مذکورہ آیات میں بار بار قربانی ذبح کرنے کا حکم وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ دیکھئے :۔

(۱) وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (حج : ۲۸)

"اور اللہ کا نام، اللہ کے دیئے ہوئے مویشیوں پر ذکر کریں۔ یعنی انہیں اللہ کے نام پر قربانی کریں"

(۲) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ (حج : ۳۴)

"اور ہر مومن گروہ کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی۔ تاکہ وہ اللہ کے نام کا ذکر کریں"

(۳) فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ (حج : ۳۶)

پس ان پر اللہ کا نام لو (ذبح کرو) قطار بستہ

اور دو جگہ آیت ۲۸ اور آیت ۳۶ میں قربانی کے گوشت کو خود کھانے اور فقرا وغیرہ کو کھلانے کا حکم بھی دیا ہے۔ اب اگر ان تمام تصریحات کے بعد آخری آیت نمبر ۳۷ کا مفہوم یہ لیا جائے کہ قربانی ذبح کرنا تو کوئی ضروری چیز نہیں۔ بلکہ پرہیز گاری پیدا کرنی چاہیئے، خواہ وہ کسی طرح ہو تو ظالم بدبخت قرآن کی یہ آیات اس دیوانے اور مخبوط الحواس

کی بڑ معلوم ہوں گی۔ جو ساری تقریر میں اس پہ زور ڈالتا رہے کہ قربانی ادا کرو، قربانی ادا کرو، مگر آخری فقرہ میں یہ کہہ دے کہ اچھا خیر کوئی بات نہیں، قربانی کوئی ضروری کام چیز تو نہیں۔

بہر حال آیت مذکورہ اس امر کی طرف توجہ دلا رہی ہے کہ جیسے ہر چیز کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلامی قربانی کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، لہٰذا قربانی ادا کرنے والوں کو اپنی نگاہیں صرف ظاہر پر روک نہیں لینی چاہئیں۔ بلکہ قربانی کی باطنیت اور معنویت میں مستغرق ہو کر گوشت اور کھال کی خیرات کرنے کے ساتھ تسلیم و عبدیت اور رضاء و تقویٰ کے اعلیٰ نکات کو بھی پالینا چاہیے۔

آگے اس آیت کو ختم یوں کیا ہے:۔*

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ حج: ۳۷	یوں ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے۔ تاکہ اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت بخشی۔ اور محسنین کو خوشخبری سنادو۔

یہ مضمون اس سے پہلے آیت نمبر ۱۴۳ میں بھی آیا ہے۔ اور اس میں قربانی کا یہ سبق ظاہر فرمایا ہے۔ کہ ان مویشیوں کو بیا یاخدا نے کیا ہے اور بندے کی عارضی ملکیت میں دے دیا ہے۔ مگر وہ اپنے عارضی مالک کے سامنے اس قدر مستطیع اور مسخر ہیں۔ کہ اسی کے منافع کے لئے جیتے ہیں اور اسی کے فوائد کے لئے مرتے ہیں۔ تو پھر انسان اپنے مرنے اور جینے کو اپنے حقیقی مالک کے لئے کیوں وقف نہ کرے۔ اور اس کی رضا

---

* قربانی کا یہی سبق سورہ انعام کی آیت ۱۶۳ میں بھی بیان فرمایا۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ میری نماز اور میری قربانی میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العلمین کیلئے ہے۔"

کے سامنے کیوں مطیع و مسخر نہ ہو جائے۔ پھر انسان کے اللہ کے سامنے مسخر ہونے کا مطلب بھی سمجھا دیا کہ بندہ خدائی مقاصد کے لئے اُٹھ کھڑا ہو۔ اور اللہ کی عظمت و کبریا کے چرچے سے عالم کو بھر دے۔ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

پھر قربانی کے اس سارے مضمون کا اختتام "بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ" (محسن لوگوں کو خوشخبری سنا دو) پر کیا ہے اور یہ "اَلْمُحْسِنِيْنَ" کا لفظ وہی ہے جو حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کے آخر میں آیا ہے۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور ہم نے ندا دی اے ابراہیم بے شک تُو نے خواب کو سچا کر دیا۔ بے شک ہم محسنین کو یونہی جزا دیا کرتے ہیں

(صٰفٰت ۱۰۴-۱۰۵)

معلوم ہوا کہ قربانی کا نکتۂ کمال "المحسنین" کا مقام ہے۔ لہٰذا مضمون کا انجام اس لفظ پر کیا ہے۔ اور ہم بھی یہاں اس گفتگو کو ختم کرتے ہیں۔

نوٹ:

"قربانی اور جہاد"

قربانی اور حج کی یہ آیات جو سورۂ حج میں آئی ہیں۔ اپنے سیاق و سباق کے ربط سے ایک اور وضیح اشارہ کرتی ہیں۔ دیکھئے سورۂ حج میں حج اور قربانی کا مضمون آیت نمبر ۲۶ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس سے پہلے یہ آیت ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ

جو لوگ کافر ہیں اور وہ اللہ کی راہ سے اور اس مسجد محترم سے روکتے ہیں جسے

الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ ط وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۲۵ (حج ۱ ۲۵)

ہم نے لوگوں کے لئے یوں بنایا، کہ وہاں ساز اور مقیم یکساں ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس علاقۂ حرم میں اپنی بے دینی کی وجہ سے ظلم پھیلانے کا ارادہ کرتے، ہم اُسے دردناک عذاب چکھایا کرتے ہیں"۔

اس آیت میں مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ تمہارے ایسے دشمن بھی موجود ہیں۔ جو تم سے خداواسطے کا بیر رکھتے ہیں۔ اور تمہیں پرامن طریقے سے بھی اپنی عبادات ادا کرنے سے مانع آتے ہیں۔ پھر اس کے بعد حج اور قربانی کا مذکورہ مضمون شروع ہوجاتا ہے اور یہ سارا مضمون (۲۶ تا ۳۷) ختم ہونے کے بعد پھر یہ آیت نظر آتی ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۳۹ نِ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط (حج : ۳۹، ۴۰)

ان مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی جاتی ہے۔ جن کے خلاف (کافروں کی طرف سے) جنگ کی جارہی ہے۔ کیونکہ یہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اُن کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا۔ صرف اس لئے کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے"۔

ان آیات کے درمیان قربانی کا مضمون بیان کرنا اس امر کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کہ جس طرح قربانی بندۂ مومن کو اپنے اللہ کے حضور میں فروتنی اور تسخیرِ عبدیت کا سبق دیتی ہے۔ اسی طرح یہ قربانی مردِ مجاہد کو حق و باطل کی خونیں

رزمگاہوں میں کٹنے مرنے اور خدا کے دشمنوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جانے کے لئے بھی مستعد کرتی ہے۔

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گزر جا بن کے سیلِ تُند رَو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)
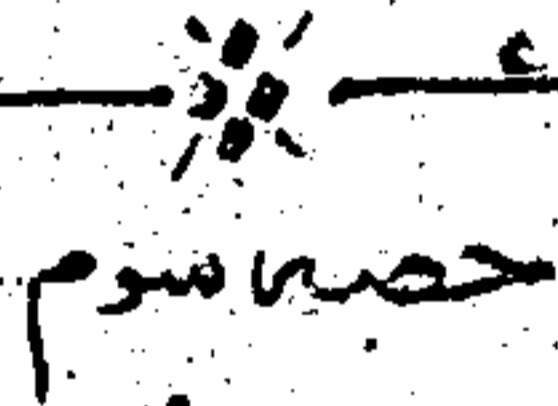
حصہ سوم

قربانی —— مادی اور معاشی نکتۂ نظر سے

نوٹ:۔ کسی دینی مسئلے کی حیثیت معلوم کرنے کے لئے بنیادی ماخذ کتاب و سنت ہیں۔ اور اس کتاب کے گذشتہ اوراق میں زیر گفتگو مسئلے پر قرآن حکیم اور سنت کریمہ کی رہنمائی میں معلومات عرض کی جا چکی ہیں۔ حقیقت اور اصول کی رُو سے مسئلہ قربانی کا مبحث یہاں پر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ غلامی کے طویل ایام سے گزرنے کے بعد ہمارے ہاں اسلامی فکر کی شمعیں مدہم پڑ چکی ہیں۔ اس لئے بہکانے والوں کی باتوں سے متاثر ہو کر بعض مسلمان اپنے ملی اور دینی اہمیت کے مسائل کو بھی خالص مادی اور معاشی ترازو میں تولنے کے خواہشمند ہیں جب کبھی ہماری اسلامی فکر صحیح معنی میں بیدار ہو جائے گی تو نہ اس قبیل کے شبہات و خدشات دلوں میں باقی رہیں گے۔ اور نہ ہی کسی کی ایسی باتوں کو کوئی سنے گا۔

لیکن سر دست چند ایسی ضمنی باتیں قربانی کے متعلق کہہ دینی مناسب ہوں گی جو مذکورہ نکتۂ نگاہ سے ہمارے مسئلے کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں۔ یہیں نے ان معلومات کو ترتیب دینے کی چنداں کوشش نہیں کی بلکہ یہ بکھرے ہوئے چند نوٹ ہیں جو قربانی پر معاشی اور مادی رو سے وارد کئے جانے والے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ اس پہلو سے قربانی کے فوائد کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں۔ کو کب

نوٹ (ا)

قربانی اور مویشیوں کی قلّت:

بعض لوگ قربانی پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے جانوروں میں بڑی تیز رفتاری سے کمی واقع ہوتی ہے۔ اور وہ یہ بھی کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہمارے ملک میں مویشیوں کی جو قلت ہے۔ اس کا ایک بڑا باعث یہی قربانی ہے۔ مگر یہ محض غلط فہمی ہے۔

اس سلسلے میں پہلی گزارش یہ ہے کہ بات وہ وزنی ہوتی ہے جو عملی (Rationally) لحاظ سے صحیح ثابت ہو سکتی ہو۔ اگر ہم قربانی کو اپنے ملک میں کلیتہً بند کر دیں تو دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس سے جانوروں کی قلت کا مسئلہ دُور ہو جائے گا۔ یہ چیز تو ظاہر ہے کہ قربانی بند کرنے سے جانوروں کی کچھ نہ کچھ تعداد بچ جائے گی۔ لیکن کیا وہ اتنی بڑی تعداد ہو گی کہ اس سے ہم جانوروں کی کمی کی مشکل حل کر پائیں گے؟ میرے خیال میں دیانتداری سے اس کا جواب نفی میں ہو گا۔

اصل بات یہ ہے کہ مسلمان قوم ان اقوام میں سے نہیں، جو گوشت کھانے کو ممنوع

اور جانور کے ذبح کرنے کو جرم خیال کرتی ہیں۔ مسلمان کے نزدیک تو گوشت غذا کا ایک ضروری جزو ہے۔ بلکہ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی ملک بھی گوشت سے کُلیتہً مجتنب اور اور ذبیحے کو بالکل بند کرنے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں۔ اسی لئے دنیا کے تمام ملکوں میں (جن میں ہمارا ملک بھی شامل ہے) سارا سال ذبیحہ جاری رہتا ہے۔ جب یہ حقیقت عملی طور پر ثابت ہے۔ کہ پورا سال جانوروں کے ذبح کئے جانے کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ جس سے جانوروں کی تعداد پر بہرحال اثر پڑتا ہے۔ تو اب صرف قربانی کو رد کئے یا اس پر حد بندی کرنے سے اس مسئلے کا حل کیونکر تلاش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر ملک میں واقعی[1] جانوروں کی قلت ہے۔ اور اس قلت کا باعث بھی واقعی جانوروں کا ذبح ہونا ہے۔ تو پھر سال بھر پورے ملک میں جو روزانہ ذبیحہ جاری رہتا ہے۔ یہ کمی اس کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے۔ نہ کہ اُس ذبیحے کی طرف جو عید کے ایک آدھ دن پہ واقع ہوتا ہے۔

---

[1] واقعی کا لفظ اس لئے ہے کہ ہمارے ہاں چیزوں کی قلت کا تذکرہ کچھ رواجی سی بات بن کر رہ گئی ہے۔ یعنی گندم کی قلت، چاول کی قلت، چینی کی قلت، اسٹیل کی قلت، زرمبادلہ کی قلت غرض قلت ہی قلت۔ کیا یہ قلت قلت کی مصیبت دنیا میں صرف ہماری ہی قسمت میں لکھی گئی ہے اور کیا ہمارا ملک اس برّعظیم کا ایک گراں بہا ٹکڑا نہیں ہے جسے دنیا والے سونے کی چڑیا کہا کرتے تھے۔ اور اب وہ ہمارے ہاتھوں میں آتے ہی مٹی کی چڑیا ثابت ہونے لگی ہے۔ ہمیں غور کرنا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہاں چیزوں کی کمی نہ ہو بلکہ اصل کمی محنت، دیانت، خلوص اور خوفِ خدا کی ہو۔ اور درحقیقت یہی وہ کمی ہے جس کے باعث چیزیں ہوتے ہوئے بھی چیزوں کی کمی محسوس ہوا کرتی ہے۔ اگر قوم کے ہر طبقے سے یہ کمی دُور ہو جائے تو فطرت ہم پر زمین و آسمان کے دروازے کیوں نہ کھول دے گی۔

اتنی بات میں تسلیم کرتا ہوں کہ عید قربان کے موقع پر سال کے ایک دن کی نسبت بہت ذبیحہ یقیناً زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن تاہم وہ اتنا بڑا فرق نہیں ہے کہ جس کے دور کرنے سے مویشیوں کی قلت کا مسئلہ دور ہو جائے گا۔ نیز اگر قربانی کے موقع پر روزمرہ کے ذبیحے سے کچھ زائد جانور ذبح ہو جاتے ہیں تو ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عید قربان کے ساتھ ساتھ چند دن تک بہت کم جانور ذبح ہوتے ہیں۔ کیونکہ دو تین دن تک تو گھروں میں وہی قربانی کا گوشت پکتا رہتا ہے۔ اور اس کے بعد چند دن تک گوشت کی رغبت میں کچھ کمی رہتی ہے۔ لہٰذا قربانی اپنے فرق کو کسی حد تک یوں بھی پورا کر دیتی ہے۔

بایں ہمہ فرض کیجئے کہ ہم ایک سال عید قربان پر قربانی بالکل نہیں کرتے۔ اور کچھ جانور اس طرح سے بچا لیتے ہیں۔ تو اب یہ بتایئے کہ یہ محدود سی تعداد ایک ایسے ملک میں مویشیوں کی کمی کو کیسے دور کر سکتی ہے جہاں سال بھر مسلسل قصاب خانے آباد رہتے ہیں۔ غرضیکہ نہ تو قربانی کو مویشیوں کی قلت کا سبب ٹھہرایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر پابندی عائد کر کے جانوروں کی کمی کے مسئلے کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ پانی سے بھری ہوئی رواں دواں ندی میں سے پانی کے چند چلو نکال لیجئے یا چند گھونٹ ڈال دیجئے ندی کے ذخیرے میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

سطور بالا کا یہ مفہوم کبھی نہ سمجھا جائے کہ قربانی کی بجائے ہم روزانہ ذبیحے پر کلی پابندی عائد کرنے کے حق میں ہیں۔ ہم دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر مویشیوں کی قلت ہمارے ملک کا مسئلہ ہے اور ہم اسے واقعی حل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا حل ان ذرائع میں پوشیدہ ہے جن کے اختیار کرنے سے نسل کی مزید افزائش ہو۔ مثلاً چراگاہیں بکثرت بنائی جائیں۔ اچھی نسل کے نر مویشی بیرون ملک سے بھی مہیا کئے جائیں۔ گلہ بانوں سے

تعاون اور اُن کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور جدید سائنٹیفک طریقوں سے ملک کی زرخیز وادیوں میں مویشیوں کی پرورش کو فروغ دیا جائے۔

باقی یہ قربانی پر پابندی وغیرہ کی سوچنا تو غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ مسئلے کا حل نہیں بلکہ حل تلاش کرنے سے فرار اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ یہ حلال جانور آخر انسانی خوراک کا ایک آئٹم ہیں۔ لہٰذا ان کے مناسب استعمال سے روکنا ایسا ہی ہوگا۔ جیسے کہ خوراک کی کمی کا حل۔ لوگوں کو کھانا پینا ترک کرنے کے مشورے سے نکالا جائے ظاہر ہے کہ یہ حل نہیں اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ حل یہ ہے کہ خوراک کی چیزوں

ے اسی طرح کی ایک بڑی خطرناک غلط فہمی آج کا انسان انسانی آبادی کے مسئلے میں کھا رہا ہے۔ آبادی کی کثرت کا حل یہ پیش کرتے ہیں۔ کہ آئندہ حضرت انسان کی پیدائش پر حد بندی کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسئلے کا حل نہیں۔ بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم اس وسیع و عریض دھرتی میں رہتے ہوئے انسانوں کی آبادی کے لئے کوئی حل نہیں نکال سکے۔ لہٰذا ہم خودکشی کر رہے ہیں۔ قربانی اور برتھ کنٹرول دونوں مسئلوں کو ملا کر دیکھنے سے دانش حاضر کا ایک عجیب اور متضاد فیصلہ سامنے آتا ہے۔ یعنی آج کے انسان کو ایک طرف یہ فکر دامنگیر ہے، کہ انسان بڑھتے جا رہے ہیں۔ ان کا کوئی حل نکالو۔ اور دوسری طرف یہ خطرہ لاحق ہے کہ جانور کم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کی کوئی تدبیر سوچو۔ لہٰذا ان خطرات کے پیش نظر ان فکر دانشوروں نے یہ فتویٰ صادر کر دیا ہے۔ کہ انسانی آبادی کو بڑھنے سے فوراً روک لو اور اس کی بجائے جانوروں کو بڑھانے اور نشوونما دینے کے تمام ذرائع اختیار کرو۔ چنانچہ اگر کوئی قوم جانوروں اور چوپاؤں کو کم کرنے والے طریقوں پر عمل پیرا ہے تو وہ نہایت بے وقوف اور غیر مہذب ہے۔ لیکن اگر کوئی قوم انسانوں کو کم کرنے والی سکیموں اور تدبیروں پہ کاربند ہے تو وہ نہایت دانا اور انتہائی مہذب قوم ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد ÷ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

کی پیداوار بڑھانے کی طرف توجہ کی جائے۔ محنت، دیانت اور صحیح علم کے استعمال سے فطرت کے دروازوں پر دستک دی جائے۔ کہ سچے محنتی بندوں کو خدا کبھی بھوکا نہیں مرنے دیتا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝

ع ؎ ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

نوٹ (۲)

قربانی اور افزائش نسل:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مویشی انسان کے لئے ایک ضروری دولت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح مویشی بھی اعلیٰ اور ادنیٰ قسموں میں منقسم ہیں۔ ان کی ایک قسم تو وہ ہے جو ہمیں دودھ، مکھن اور گھی مہیا کرتی ہے چونکہ مذکورہ چیزیں انسان کی غذا کا جزو لاینفک ہیں۔ لہذا ایسے مویشیوں کی کافی تعداد موجود رہنی چاہیئے۔ تاکہ دودھ اور گھی کی قلت (Shortage) واقع نہ ہو۔

لیکن مویشیوں میں اس عمدہ اور کارآمد حصے کے علاوہ ایک دوسرا حصہ وہ بھی موجود ہوتا ہے جو دودھ اور گھی کی رو سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ کئی گائیں، بھینسیں ایسی ہوتی ہیں جو بالکل ہی دودھ سے محروم ہوتی ہیں۔ بعض ایک عرصہ دودھ دینے کے بعد پھر ہمیشہ کے لئے خشک ہو جاتی ہیں۔ اور کئی ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا دودھ اتنی قلیل مقدار میں ہوتا ہے۔ کہ اس کی آمدن کے مقابلے میں وہ خرچ کہیں زیادہ ہوتا ہے جو ان کے دانے چارے پر کرنا پڑتا ہے ۔

جو گائے بھینسیں اعلیٰ قسم کی ہوتی ہے وہ بھی چند سوتوں کے بعد دودھ میں نہایت قلیل مقدار پر آجاتی ہے۔ اور پھر اس کا معاملہ بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ کھاتی زیادہ ہے نفع کم دیتی ہے۔ اب یہ چیزیں افسانہ نہیں ہیں بلکہ مویشیوں کے حالات سے ذرا واقفیت رکھنے والا ہر شخص ان حقائق کو جانتا ہے۔ ان امور سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مویشیوں کی ایک تعداد ضرور ایسی ہوتی ہے جو معاشی نکتۂ نظر سے انسان کے لیئے بالکل بوجھ ہوتی ہے۔

یہ جانور خوراک کے ذخائر اور نباتات کی کثیر تعداد کو ختم کرتے رہتے ہیں اور اس کے عوض ہمیں بالکل کچھ نہیں دیتے۔ لیکن اگر انہیں ذبح کر لیا جائے تو ان کے اجزاء کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ گویا ذبح کرنے میں دو فائدے ہو گئے۔ ایک تو اس بوجھ سے نجات جو غذا کے ذخائر کو کم کر رہا تھا۔ اور دوسرے ہمیں اس کی قیمت بھی وصول ہو گئی۔ اب اگر ذبح اور قربانی نہ ہو تو ایسے جانوروں کا کیا حل ہو گا۔

پھر جب جانور دودھ دینے اور دیگر منافع کی عمر سے بڑھنے لگتا ہے تو ایک عرصہ اس کی صحت نسبتاً اچھی رہتی ہے۔ مگر پھر آہستہ آہستہ بڑھاپا اور مرض اس پر غالب آجاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کار آمد اور قیمتی مویشیوں کی تندرستی کو بھی برباد کرنے لگ جاتا ہے۔ لیکن اگر مناسب وقت پر جبکہ ابھی اس میں ضعف اور بیماری کے اثرات پیدا نہیں ہوئے اُسے ذبح کر لیا جائے تو اس سے سارے خطرے ٹل جاتے ہیں۔ لہذا صحیح غور کرنے سے یہ بات ہم پر عیاں ہوتی ہے کہ قربانی کا یہ نظام دراصل مویشیوں کی نسل کو اعلیٰ اور پاکیزہ بناتا ہے۔ یہ نظام فطرت کے اصول کے عین مطابق ان مویشیوں کو انسان کی خدمت کے لیے چھوڑتا ہے جو خدمت کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور ان مویشیوں کو

ختم کرتا ہے[1]، جن کا باقی رہنا، انسانی معیشت پر ایک نقصان دہ بوجھ اور انسانی نیز حیوانی تندرست جانوں کے لئے بیماری کے خطرات کا موجب ہوتا ہے۔ اور یہی کائنات کی ترقی کا لازمہ ہے[2]

اگر یہ نظام نہ ہوتا، بلکہ دنیا کا انسان جانوروں کے ذبح کرنے سے بالکل رک جاتا، تو ایک دن جانوروں کی ایک کثیر در کثیر تعداد کو آگ میں جھونکنے، یا سمندر میں گرانے کے لئے مجبور ہو جاتا۔

یہاں سے ہمیں آسمانی شرائع کے احکام کی حکمتیں نظر آتی ہیں۔ کتب سماویہ میں سے تورات کو اٹھایئے، اس کی جو کچھ بھی حیثیت اس وقت ہے اس کے باوجود آپ کو قربانی کا حکم اور اس کی تفصیلات اس میں اس کثرت سے ملیں گی کہ گویا یہ کتاب قربانی ہی کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ تورات کے مختلف ابواب، سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل اور بنو اسمٰعیل کے سب خاندانوں میں قربانی تھی۔ پھر آخری شریعت نے بھی قربانی کے مسلک کو زندہ کیا اور شرک کا رنگ دور کرکے اسے اسکی صحیح شکل میں رائج کیا۔

---

[1] پھر اس ختم کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ان جانوروں کو رائیگاں جانے دیا جاتا ہے۔ بلکہ اسلامی تعلیم کے مطابق ذبیحہ اور قربانی کے ذریعے وہ جانور مفید مصرف پر صرف ہوتے ہیں۔ البتہ ضائع اس صورت میں جائیں گے۔ جبکہ انہیں ذبح نہ کیا جائے اور کمزوری اور بیماری کی آخری سٹیج تک پہنچنے دیا جائے۔ حتیٰ کہ پھر آخر نہ صرف وہ خود ہی ضائع جائیں بلکہ سا تھ سا تھ انسانی اور حیوانی صحت کو بھی ضائع کرتے جائیں۔ [2] قرآن فرماتا ہے۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ط (رعد: ۱۷) (ترجمہ) جو جھاگ ہوتا ہے وہ تو یونہی سوکھ جاتا ہے اور لیکن جو چیز انسانوں کے لئے مفید ہوتی ہے۔ سو وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔"

فرض کیجیئے کہ ہمارے ملک میں قربانی اور ذبح کرنے کا کوئی طریقہ جاری نہ رہے ۔ اور جانوروں کو بوڑھا ہونے، بیمار پڑنے اور گھُل گھُل کر مرنے کے لیئے چھوڑ دیا جاتے، تو باقی ضرر کے علاوہ غریب گلہ بانوں کے لیئے یہ کتنا بڑا زیان ہوگا ۔ اس لیئے کہ جب کوئی جانور دودھ دینے کی عمر سے اوپر ہو جائے، تو پس پھر اسے خریدنے والا کوئی نہ ہوگا۔ کیونکہ بغیر ذبح کے اور ایسے جانور کا کوئی مصرف نہیں ہو سکتا۔ اور ذبح کو ممنوع فرض کیا گیا ہے ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مویشیوں کی ایک بہت بڑی تعداد گلہ بانوں کے پاس ایسی جمع ہو جائے گی جو صرف چارہ اور دانہ کھائے گی۔ مگر گلہ بان کو ایک پائی کا فائدہ بھی نہ دے گی۔ جس سے گلہ بان کی معیشت پر اتنا برا اثر پڑے گا کہ وہ اس کاروبار کو سخت نقصان دہ تصور کرے گا اور اس کی بجائے کوئی دوسرا مشغلہ تلاش کرے گا۔ جس کے نتائج میں مویشیوں کی افزائش نسل بالکل رک جائے گی۔

لیکن اگر قربانی اور ذبح ہونے کا نظام جاری ہو تو پھر گلہ بان کے لیئے ہر جانور ایک چالو سودے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ جب وہ دودھ دینے سے رک جائے گا تو گلہ بان اُسے مارکیٹ میں بڑی آسانی سے فروخت کر سکتا ہے، جہاں ذبیحہ اور قربانی کے جانوروں کی ہر وقت مانگ رہتی ہے۔ اور پھر اپنی رقوم کو وہ اچھے جانوروں پر خرچ کر کے افزائش نسل کی رفتار اور کیفیت کو دوبالا کر دے گا۔

روزمرہ کے ذبیحے کے علاوہ سالانہ قربانی کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ موقعہ گلہ بانوں کے لیئے ایک سالانہ تجارتی میلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں مویشی عام بھاؤ سے چڑھ کر بکتے ہیں۔ اور یہ سارا منافع ان لوگوں کے ہاتھ میں جاتا ہے جو مویشیوں کا کاروبار کرتے ہیں اور

اور ان کی افزائش نسل کے واحد ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ طبقہ جتنا اچھا کمائیگا گلہ بانی اور افزائش نسل پر اتنے ہی اچھے اثرات پڑیں گے۔

نوٹ (۳)

قربانی پر طبیعیاتی پہلوؤں سے ایک نظر:

قرآن نے قربانی کے لئے "الانعام" (مویشی) کا لفظ بولا ہے۔ عربی میں اس کا اطلاق اونٹ گائے، بکری اور ان کی قسموں پر ہوتا ہے۔ ان جانوروں میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسان سے بہت قریب اور مانوس ہیں۔ طب بتلاتی ہے کہ وحشی اور جنگلی جانوروں کے گوشت میں وحشت اور بہیمیت کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ مگر پالتو اور مانوس جانوروں کے اجزاء انسانی خوراک کے لئے بہت موزوں ہیں۔ کیونکہ یہ انسانی مزاج سے قریب تر ہیں۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ جانور جگالی کرتے ہیں۔ اور جگالی کرنے والے جانور زیادہ تر نباتی غذا کھاتے ہیں۔ پھر جگالی سے اُسے پیس پیس کر ہضم کی اعلیٰ ترین صورت بناتے ہیں۔ اس لئے ان کے اجزاء ہاضم اور خوشگوار ہونے میں بدل نہیں رکھتے۔

لحمی غذا کی ضرورت: انسانی غذا میں لحمی[۱] اجزاء کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بعض لوگ گوشت کو ضرر رساں خوراک قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی جانوروں کے ذبح کرنے کو بھی ظلم سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اور آج بھی بعض قوموں کا یہی

---

[۱] "لحم" کے معنی گوشت کے ہیں۔

خیال ہے۔ لیکن یہ خیال حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ ان لوگوں کے ذہن کی ریفلیکٹ کیفیت کی ترجمانی کرتا ہے۔ دنیا کے تمام اطبا جو مختلف طریقہ ہائے علاج کے حامل ہیں آج تک بھی غذا کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہندوؤں کے چوٹی کے ڈاکٹر اور وید بھی گوشت کی ضرورت کا اعتراف کرتے ہیں [۱]۔

اسی طرح انسانی فوائد کے لئے جانور کے ذبیحے کو ظلم قرار دینے والی بات بھی غلط فہمی ہے۔ اگر اس تصور کو تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ درختوں کے پھل توڑنا اور کھیتوں سے فصل کاٹنا بھی انسان کی زیادتی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ انسان کو جانوروں سے اپنی غذا پوری کرنے پر مجرم ٹھہرایا جائے، مگر لہلہاتے ہوئے باغوں اور ہرے بھرے کھیتوں کو یکلخت ویران کرنے پر اسے معاف کر دیا جائے۔ کیا یہ نباتات فطرت کے حسن اور معصومیت کی زندہ تصویریں نہیں ہیں۔

ایسے خیالات اگر تمام نوع انسانی قبول کر لے، تو پھر انسانوں کے لئے صحراؤں کی خاک اور ریگستانوں کی ریت کے سوا کھانے کی اور کوئی چیز جائز نہ رہے۔

یہ تصورات گو اس قابل نہیں ہوتے کہ دنیا کے انسانوں کی اکثریت انہیں قبول کر لے۔ تاہم چونکہ بعض بڑے بڑے مشہور ذہنوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی رہی اور پھر ان کی اتباع میں کئی قومیں اسی مسلک کو قبول کرتی ہوئی نظر آئیں۔ حتیٰ کہ آج تک ہمارے ہمسایہ ملک میں کروڑوں انسان ایسے ہی بیمار [۲] عقیدوں پر قائم ہیں۔ لہٰذا اسلام نے سال میں ایک

---

[۱] ڈاکٹر گوپال جی بی۔ اے لکھتے ہیں۔ عام غذاؤں میں سب سے زیادہ طاقت بخش غذا گوشت ہی ہے۔ تعلیم غذا صفحہ ۱۰۸۔

[۲] گوشت نہ کھانے کی رغبت دلانے والے حضرات عموماً ذہنی طور پر احساس کمتری کا نشانہ ہوتے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ہیں۔ کائنات کی ہر چیز انسان کے فوائد اور اس کے جائز استعمال کے لئے بنی ہے۔ اگر انسان ان اشیاء سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ان کو محض اپنا مخدوم سمجھنا شروع کر دے تو یہ مقاصد تخلیق کا اُلٹ ہے۔ اور جن قوموں میں ایسے رجحانات خصوصی طور پر جڑ پکڑ جاتے ہیں۔ وہ عموماً کمزوری، محکومی اور غلامی کا شکار بن جایا کرتی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی حقیقتوں سے ہی زندگی کی بڑی بڑی حقیقتیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ اقبال مرحوم نے بھی ایک تمثیل کے رنگ میں اس مسئلے کو سمجھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ایک سرسبز جنگل میں بکریوں کا ایک بہت بڑا ریوڑ رہتا تھا۔ مگر وہاں کبھی کبھی شیر بھی چکر لگایا کرتا تھا چنانچہ ایک بوڑھے بکرے نے از حد پیچ و تاب کھانے کے بعد اپنی قوم کی سنت تبدیل کرنے کے لئے ایک تدبیر نکالی۔ اس نے سوچا:-

نیست ممکن کز کمال وعظ و پند	یہ تو ممکن نہیں کہ وعظ اور خطابت کے زور سے
خوئے گرگی آفریند گوسفند	بکریوں میں شیر کی سیرت و صولت پیدا کی جا سکے۔
شیر نر را میش کردن ممکن است	البتہ کلام و خطاب کے جادو سے شیر کو بکری
غافلش از خویش کردن ممکن است	صفت بنا دینا اور اسے اس کی خودی سے بے خبر کر دینا ضرور ممکن ہے

اس کے بعد وہ بکرا شیر کو یوں وعظ کرتا ہے:-

ہر کہ باشد تند و زور آور شقی است	جو بھی تند و طاقت ور ہے، وہ بد بخت ہے۔ کیونکہ
زندگی مستحکم از نفی خودی است	زندگی کا استحکام خودی کے ترک میں پایا جاتا ہے
روح نیکاں از علف یابد غذا	دنیا کے نیک دل لوگ صرف ساگ پات (چارے) سے غذا حاصل کرتے ہیں۔
تارک اللحم ست مقبول خدا	اور خدا کا مقبول بھی بن سکتا ہے جو گوشت کھانا چھوڑ دے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ)

جنت از بہر ضعیفاں است و بس — بہشت تو صرف کمزوروں کے لئے ہے۔ اور

قوت از اسباب خسراں مست و بس — یہ طاقت و قوت دراصل نقصان کا باعث ہیں۔

شیر کی حماقت اور بدنصیبی دیکھئے۔ کہ اس پر بوڑھے بکرے کا فسون کارگر ہو گیا۔

آمدش ایں پند خواب آور پسند — شیر کو سلا دینے والی لوریاں جیسی یہ نصیحتیں بہت

خورد از خامی فسون گوسفند — بھلی معلوم ہوئیں۔ اور وہ ناعاقبت اندیشی سے بکرے

کے منتر کا شکار بن گیا۔

چنانچہ پھر نتیجہ یہ نکلا:۔

آنکہ کردے گوسفنداں را شکار — کہ جو شیر کبھی بکریوں کو شکار بنایا کرتا تھا۔ اب اس

کرد دینِ گوسفندی اختیار — نے خود بکریوں کا مذہب اختیار کر لیا۔

اور وہ یہ مصیبت یہ آئی:۔

از علف آں تیزیٔ دنداں نماند — کہ گھاس کھا کھا کر دانتوں کی تیزی اور طاقت

ہیبت چشم شرار افشاں نماند — رخصت ہو گئی۔ اُدھر شعلے برسانے والی آنکھوں

سے ہیبت جاتی رہی

صد مرض پیدا شد از بے ہمتی — اس کمزوری نے پھر کئی روگ لگا کر رکھ دیئے

کوتہ دستی، بیدلی، دوں فطرتی — زورِ بازو کا خاتمہ، بزدلی، اور پست ہمتی وغیرہ

شیر بیدار از فسون میش خفت — غرضیکہ وہ شیر جو کبھی جاگا کرتا تھا (یعنی اپنے

انحطاطِ خویش را تہذیب گفت — مقام سے واقف تھا) بکرے کی فسوں کاری

سے سو گیا۔ اور پھر اپنے تنزل کو تہذیب

کہنے لگا۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بار جانوروں کے ذبح کرنے کو عبادت کا ایک رنگ دیا، تاکہ عملی طور پر ہمیشہ کے لئے جانوروں کے ذبح کرنے کا خوف دلوں سے جاتا رہے۔

نوٹ (۴)

جانوروں کی کثرت؟

ہمیں یہ بات بھی خیال رکھنی چاہئیے کہ جس طرح جانوروں کی انتہائی قلت ایک نقصان ہے۔ اسی طرح ان کی انتہائی کثرت بھی انسان کے لئے ضرر رساں ہے یہ بات بہ ظاہر عجیب نظر آتی ہے۔ لیکن ذرا غور کے بعد اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ انسانی صحت کے لئے ضروری ہے کہ ہوا میں آکسیجن کی تعداد زیادہ ہو اور کاربن ڈائی اکسائیڈ کی مقدار کم ہو۔ کیونکہ انسان ہر سانس میں آکسیجن جذب کرتا ہے۔ اور کاربن (زہریلی ہوا) خارج کرتا ہے۔

ہوا کو گندہ و آلودہ کرنے کے اس عمل میں جانور بھی شریک ہیں۔ البتہ نباتات کی

(بقیہ حاشیہ) شاعر مرحوم کی یہ تمثیل آج ان مسلمانوں کی حالت زار پر کس طرح مطابق بیٹھتی ہے۔ جو دنیا کی اقوام غالبہ کے گمراہ کن پراپگنڈوں سے متاثر ہو کر اپنے قومی تشخص کو برقرار رکھنے والی روایات اور اپنے دینی و ملی شعائر کو بڑی تیزی سے ترک کرنے اور بھول جانے کی فکر میں ہیں۔ تاکہ وہ تہذیب کے اس چوکھٹے میں فٹ آسکیں۔ جو آج کی بین الاقوامی سیاست کے آقاؤں نے ان کے لئے تیار کیا ہے

ع:- وائے بر ما، وائے بر احوالِ ما

ڈیوٹی قادرت نے یہ رکھی ہے کہ وہ ہوا کو صاف کرتے ہیں. کیونکہ وہ آکسیجن پیدا کرتے ہیں۔ اور کاربن کو جاذب کر لیتے ہیں۔ اب یہ امر ظاہر ہے کہ جس مقدار سے متنفس (سانس لینے والی مخلوق بڑھتی جائے گی۔ اُسی نسبت سے ہوا کا تعفن بھی زیادہ ہوتا چلا جائے گا۔

پھر جس قدر جانور بڑھتے ہیں۔ نباتات میں اتنی ہی کمی واقع ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ جانوروں کی خوراک میں نباتات ہی صرف ہوتے ہیں۔ اس طرح حیوانات کا عدد مناسب سے زائد ہونا، انسانی صحت کے لئے دوگونہ بوجھ بنتا ہے۔ ایک طرف ان کے کثیر تنفس (سانس) سے ہوا کثیف ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف جانوروں کی کثرت نباتات کی قلت کو پیدا کرتی ہے۔ پھر نباتات، یعنی درختوں، پودوں اور سبزہ زاروں کا کم ہو جانا بجائے خود دوسرا نقصان ہے۔ ایک تو ہم فضا کو پاکیزہ کرنے والے خادموں سے محروم ہو جاتے ہیں اور دوسرے ہماری خوراک کے ذخیروں میں کمی آتی ہے۔ کیونکہ انسانی غذا کا کثیر حصہ نباتات ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اس طرح قریب قریب یہ مسئلہ وہی صورت اختیار کر لیتا ہے جو انسانی آبادی کے مسئلے میں ظاہر کی جاتی ہے۔ یعنی جس طرح انسانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے خطرات یہ بتائے جاتے ہیں کہ اس طرح خوراک کے ذخائر ساتھ نہیں دیتے۔ آبادی کے لئے جگہ کی مشکلات پیدا ہونے لگتی ہیں۔ فضا میں تعفن بڑھنے سے بیماریاں پھیلنے لگتی ہیں، وغیرہ وغیرہ بعینہ اسی طرح جانوروں کی بے تحاشا کثرت اگر واقع میں آ جائے تو مذکورہ خطرات سے بڑے خطرات انسانی آبادی کے لئے ممکن ہیں۔ میں کبھی یہ سوچتا ہوں کہ ہمیں انسانی آبادی کی کثرت کے خیال سے بڑا خوف آتا ہے۔ لیکن حیوانی آبادی کے متعلق ہم کبھی اس رنگ

ہیں نہیں سوچتے۔
یہ سوچ اس لئے پیدا نہیں ہوئی کہ مسلمانوں کے ذبیحے کی عادت اور قربانی کی عبادت کے ذریعے جانوروں کی مقدار میں ایک توازن پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اگر دنیا کے انسان جانوروں کا ذبیحہ یکسر قلم بند کردیں تو چند ہی سالوں میں انہیں سمجھ آجائے کہ ان کے یہ مویشی اور چوپائے ان کے لئے کیا حشر لا سکتے ہیں

پھر شریعت نے جن جانوروں کی قربانی مقرر کی ہے، ان میں اونٹ کے سوا۔ باقی جانور تقریباً غذا کے وہی ذخیرے ختم کرتے ہیں جو انسان کے لئے بھی ضروری ہیں۔ گائے اور بھینس کی خوراک میں تو غلوں کا ایک حصہ بھی خرچ ہوتا ہے۔ اس طرح یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اگر مویشیوں کی تعداد میں توازن قائم نہ کیا جائے تو غذا کی مشکلات کے پیش نظر حیوانی آبادی انسانی آبادی کی کثرت سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔
یہاں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی جاسکتی ہے کہ ضبط ولادت کے حق میں اٹھنے والی تحریکوں کے اس دور میں ہم یہ بات بسہولت سمجھ سکتے ہیں کہ جانوروں کی قلت کے مقابلے میں جانوروں کی کثرت انسان کے لئے زیادہ مشکل مسائل اٹھا سکتی ہے۔ اور اس بات کو سمجھتے ہی قربانی اور ذبیحے کی حکمت سمجھ میں آجاتی ہے۔

فرض کیجئے کہ اگر کسی وقت قدرت ہمیں یہ کہدے کہ تم اپنی ضروریات کے ذخائر میں سے ایک چیز سے کلیتہً دست بردار ہوجاؤ۔ مثلاً ہوا پانی، نباتات اور حیوانات میں سے کسی ایک چیز سے اپنی حقداری کا تعلق بالکل ہٹالو۔ ورنہ سب کچھ چھین لیا جائے گا۔ تو

اس وقت غور و فکر کے بعد ہمارا فیصلہ کیا ہوگا؟

یقیناً یہی ہوگا کہ ہم جانوروں کے ریوڑ، کارکنان قدرت کے سپرد کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس کے متبادل ہمارے پاس کوئی صورت نہ ہوگی۔

اگر ہوا واپس کرتے ہیں تو صرف چند منٹوں کے بعد سارے معشر انسانیت کی جانیں بھی واپس ہو جائیں گی۔ اگر پانی سے ہاتھ اٹھاتے ہیں، تو ایک دو دن میں قصہ پاک ہو جائے گا۔ اور اگر نباتات کے ذخائر سے دستبردار ہوتے ہیں تو ہفتے عشرے کے بعد کیا انسان اور کیا حیوان سب بھوک کے مارے مرنے لگیں گے۔ اور اگر اس وقت جانوروں کو انسانوں کی خوراک بنا لیا گیا تو چند پہر اور نکل جائیں گے۔ اور اس کے بعد نہ حیوان نظر آئیں گے اور نہ انسان

اس فرضی تمثیل سے محض یہ سمجھانا مقصود ہے کہ آبادی اور خوراک کی کشمکش میں انسان صرف اسی پالیسی پر عمل پیرا ہو سکتا ہے کہ وہ قدرت کے مطابق ذخیرزں کو بڑھائے، اور مویشیوں کی مقدار صرف بقدر گنجائش رہنے دے۔ کیونکہ انسانی جان بہرحال حیوانی جان سے بدرجہا زیادہ قیمتی اور خدا کی کائنات کے لئے زیادہ مفید ہے۔ اس طرح قربانی اور ذبیحے کے نظام میں کثرت آبادی اور برتھ کنٹرول وغیرہ جیسے مسائل کے حل کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

اس نظام کی طرف قرآن حکیم میں واضح اشارے موجود ہیں۔

۱۔ اولاً تو بنیادی طور پر یہ سمجھایا ہے۔ کہ ہم نے جانور انسان کی ملکیت میں دے دئے ہیں اور ظاہر ہے کہ مالک اپنی ملکیت میں اپنی ضروریات کے مطابق تصرف کر سکتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ (یٰس ۷۱)	"کیا انسان نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنی قدرت سے اُن کیلئے مویشی پیدا کئے۔ پس یہ ان کے مالک ہیں۔"

پھر ثانیاً صاف ارشاد فرمایا ہے کہ جانوروں سے انسان کی جو ضروریات وابستہ ہیں وہ سواری، خوراک بنانا اور بعض دیگر منافع ہیں۔

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ (یٰس ۷۲، ۷۳)	اور ہم نے یہ جانور انسانوں کے قبضے میں دئے۔ پس بعض پر وہ سوار ہوتے ہیں، اور بعض کو وہ کھاتے ہیں اور انسان کے لئے ان میں اور بھی فوائد اور مشروبات ہیں۔ پس کیا وہ شکر گزار نہ بنیں گے۔

وَمِنْهَا يَأْكُلُوْنَ کا ٹکڑا بتلاتا ہے کہ انسان کے لئے یہ بھی حق ہے کہ وہ مویشیوں کو اپنی غذا میں استعمال کرے۔ مگر ساتھ ہی دیگر فوائد کی طرف بھی رہنمائی کی ہے۔ گویا جانوروں کو بالکل ہی ختم کر دینے سے بھی باز رکھا ہے۔ اور یہی توازن ہے۔

اسی طرح اس توازن کے حصول کے لئے قرآنِ حکیم شکار کی حوصلہ افزائی بھی فرماتا ہے۔

وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما امسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه (مائدہ ۴)	اور شکاری جانور جو تم نے سدھا رکھے ہیں جن کو تم ان باتوں میں کچھ سکھلاتے ہو جو اللہ نے تم کو سکھلائیں (شکار کا طریقہ وتمیز وغیرہ) پس اگر یہ جانور شکار تمہارے لئے روک رکھیں تو اس پر اللہ کا نام لو، اور کھاؤ۔

پانی کے شکار کی اجازت کا بھی اعلانِ عام فرمایا ہے:-

احل لكم صيد البحر (مائدہ ۹۶) "تمہارے لئے دریا کا شکار حلال ہے۔"

ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے کائنات میں انسان کی غذا کے لئے رنگا رنگ کا دسترخوان بچھا رکھا ہے۔ اگر تم ان کا مناسب استعمال نہ کرو گے تو یہ گل سڑ کر تمہارے لئے

مصیبت بن جائیں گے۔ چنانچہ قربانی کے ذریعے سال میں کم از کم ایک دفعہ یہ لازم ہی کر دیا کہ جانوروں کو ذبح کرو اور انہیں کھاؤ۔

لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقہم من بھیمۃ الانعام (سورہ حج۔ ۳۴) — تاکہ وہ اللہ کے نام پر ان مویشیوں کو ذبح کریں جو اللہ نے انہیں عطا کئے۔

بلکہ قرآن نے ان مشرکین کی سخت مذمت کی ہے جو اپنے جاہلانہ اور مشرکانہ تصورات میں الجھ کر بعض حلال جانوروں کو اپنے پر حرام کر لیتے تھے۔

۱۔ وما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب۔ (مائدہ: ۱۰۳) — اللہ نے تو بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو مقرر نہیں کیا۔ بلکہ یہ کفار اللہ پر جھوٹ افترا باندھتے ہیں۔

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام ان جانوروں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے۔ اور ان کا کھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔

نوٹ:۔ اس ضمن میں ان آیات پر پھر ایک نظر ڈال لی جائے۔ جو قربانی اور قرآن کی فصل میں گزری ہیں۔ اور جن کا تعلق مشرکین کے اعمال و تصورات سے ہے۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی ہدایات کے مطابق انسان کی یہ حرکت سخت ناپسندیدہ ہے کہ وہ حلال مویشیوں کو کھانے اور استعمال کرنے سے رک جائے اور اپنی خوراک پر خود ہی پابندی لگا کر بیٹھ جائے۔

یہاں ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر کچھ انسانوں نے چند حلال جانوروں کو حرام قرار دیا تھا اور ان کے نہ کھانے کی قسم کھالی تھی۔ تو اس میں آخر کیا حرج تھا جو شخص جانوروں کو

ذبح نہیں کرتا اور یا اس پر کسی قسم کی پابندی لگا لیتا ہے۔ تو اس سے کوئی ایسا خاص نقصان تو ظاہر نہیں ہوتا جس کی بناء پر وہ اس قدر مذمت اور تنقید کا مستحق ٹھہرایا جا سکے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دینی نکتۂ نگاہ سے اس میں جو خرابیاں ہیں وہ تو ظاہر ہیں۔ لیکن تکوینی اور طبعی نظام کی رُو سے اس میں یہی حکمت نظر آتی ہے کہ چونکہ کفار اس پابندی کو ایک عقیدے کی شکل دے کر اس کی تبلیغ کرتے تھے اور اسے ایک مسلک کا رنگ چڑھا چکے تھے۔ جو یقیناً انسان کے لئے مضر تھا۔ یعنی اگر مویشیوں کو محترم و مقدس سمجھ کر انہیں شجرۂ ممنوعہ کی حیثیت دے دی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ حیوانوں کی تعداد کنٹرول کی حد سے باہر نکل پڑے گی۔ جس سے انسانی آبادی ان مشکلات میں گرے گی جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر جانوروں کی تعداد حد اعتدال سے زیادہ بڑھ جائے تو اس سے انسانوں کی ذہنی صلاحیتوں پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ حیوانات عقل و فہم سے عاری ہیں۔ لہٰذا وہ جس ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ اس میں بھی اپنے اثرات داخل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہر متنفس کے جسم کے ٹوٹے ہوئے ذرے سانس کے ذریعے ہوا میں ملتے رہتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ جو لوگ گدھے پالتے ہیں اور طویلوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں اکثریت سادہ لوح قلیل العقل اور ضعیف الفہم لوگوں کی ہوتی ہے

——— نوٹ (۵) ———

نظامِ قربانی کی معاشی افادیت:

قربانی کا نظام اسلامی ملکوں میں ایک ایسے طبقے کو پیدا کرتا ہے جو صرف اسی خیال سے

جانوروں کے ریوڑ پال لیتے ہیں، کہ وہ انہیں عید قربان کے موقع پر فروخت کریں گے۔ ان لوگوں کی سال بھر کی گزر اوقات صرف اسی سالانہ تجارت کے چند دنوں کے سہارے چلتی ہے۔ اس طرح ایک طرف تو ان غریب گڈریوں اور گلہ بانوں کی پرورش کا ذریعہ بنتا ہے اور دوسری طرف افزائش نسل کا ایک دروازہ کھلتا ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ یہ لوگ اتنے جانور پال لیتے ہیں جو عید پر سبھی فروخت نہیں ہوتے۔ بلکہ عید کے بعد بھی گلیوں کے گلے دیکھنے میں آتے ہیں۔

ایک دوسرا غریب طبقہ جو قربانی کے نظام سے روزی کی خاصی مقدار کما لیتا ہے قصابوں کا ہے۔ ان میں بہت سے کم درافراد ایسے ہوتے ہیں جو صرف قربانی کے دنوں میں ہی اچھی مزدوری پا سکتے ہیں۔ نیز ان میں سے اکثر قربانی کی کھالوں کی خرید و فروخت بھی کر لیتے ہیں۔

اور قربانی کے گوشت کا غربا و فقرا کے ایک کثیر طبقے میں تقسیم ہونا تو بالکل ظاہر بات ہے

قربانی سے مزید فوائد اسلام میں صرف یہی نہیں کہا گیا کہ تم قربانیاں ذبح کر دیا کرو اور بس بلکہ جانور کے گوشت اور دیگر اجزاء سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرنے کا صاف حکم بھی دیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کے ارشادات یہ ہیں:۔

۱۔ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۔ — "پس ان قربانیوں میں سے خود بھی کھاؤ اور محتاج فقراء کو بھی کھلاؤ۔"

۲۔ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ (حج ۳۶) — تمہارے لیے قربانی کے جانوروں میں بھلائی ہے

۳۔ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ط (حج : ۳۶) — پس جب وہ جانور ذبح ہو کر گر پڑیں تو اس میں سے خود کھاؤ اور خاموش ضرورتمندوں اور ناداروں کو بھی کھلاؤ۔"

ان آیات سے بنیادی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ قربانی کے گوشت وغیرہ کو ضائع کرنا منع ہے بلکہ اسے مستحقین تک پہنچانا ضروری ہے۔ اس کے بعد اس ضمن میں حدیث کریم مزید رہنمائی فرماتی ہے۔

۱۔ عن جابرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن اکل لحوم الضحایا، بعد ثلٰثۃ ایام ثم قال بعد ذٰلک کلوا وتزودوا وادخروا

حضرت جابر سے ہے۔ حضورؐ نے تین روز سے زائد تک قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ مگر اس کے بعد یہ فرما دیا تھا کھاؤ، زادِ سفر تیار کرو اور جمع کرو۔

{ موطا صہ ۱۸۷، ابن کثیر ج ۳ صہ ۲۲۳ بفرق یسیر }

منع اس موقع پر کیا تھا جبکہ مدینہ میں عرب دیہاتیوں کی ایک جماعت آئی ہوئی تھی۔ اس وقت یہ منشا تھا کہ ان کی خاطر داری خوب ہو جائے (دیکھئے موطا صہ ۱۸۷ تا ۱۸۸) لیکن عام حکم یہی تھا کہ گوشت کو جمع کر سکتے ہو۔ خود حضورؐ اور صحابہؓ کے گھروں میں اسی پر عمل ہوتا تھا۔

۲۔ عن عائشہ قالت، کنا نخبأ الکراع لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہراً ثم یاکلہ (سنن نسائی: ج ۲ صہ ۱۸۵)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ "ہم حضور کے لئے مہینے مہینے تک گوشت محفوظ رکھ لیا کرتے تھے۔ اور آپ اسے تناول فرماتے رہتے تھے!"

۳۔ عن عائشہؓ قالت، الضحیۃ

حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا: ہم قربانیوں

کنا نملح منها بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ — کے گوشت میں سے کچھ حصہ نمک لگا کر محفوظ کر لیا کرتے تھے!

۴۔ عن جابرؓ کنا نتزود لحوم الاضاحی علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بخاری: ج ۲ ص ۸۳۵

حضرت جابرؓ نے کہا۔ ہم صحابہ حضورؐ کے زمانے میں قربانیوں کا گوشت جمع کر کے رکھ چھوڑا کرتے تھے!

حضورؐ سفر میں بھی قربانی کا گوشت محفوظ کرا لیتے۔ اور پھر اُسے استعمال فرماتے رہتے تھے۔

عن ثوبانؓ قال: ذبح رسول اللہ اضحیتہ قال فلم ازل اطعمہ منہا حتی قدم المدینہ
بدایۃ المجتہد ابن رشد ص ۳۲۸۔ طحاوی ج ۲: ص ۳۰۷

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے۔ حضورؐ نے اپنی قربانی ذبح فرمائی اور پھر مجھے کہا اے ثوبان! اس کے گوشت کو بنا کر محفوظ کرو۔ حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں۔ پس میں حضورؐ کو وہ گوشت مسلسل کھلاتا رہا۔ یہاں تک آپ واپس مدینہ آگئے۔

پھر یہ محفوظ کرنے کا طریقہ صرف گوشت کے متعلق ہی نہیں تھا۔ بلکہ چربی، کھالیں غرض تمام اجزا سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا جاتا تھا۔ موطا امام مالک میں ہے جب ایک موقع پر حضورؐ نے تین دن سے زائد گوشت رکھنے کی ممانعت فرمائی تو دوسرے سال بعض لوگوں نے عرض کی

لقد کان الناس ینتفعون — بے شک لوگ اپنی قربانیوں سے فائدے حاصل

لحومها ثم ويحملون منها	کرتے تھے۔ان کی چربی بھی رکھ لیا کرتے تھے
الودك ويتخذون منها	اور ان کی کھالوں سے مشکیزے وغیرہ بھی
الاسقية	تیار کیا کرتے تھے"۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "تو اب یہ کیا پوچھتے ہو"۔ اس پر عرض کی گئی۔ حضورؐ! آپ نے پچھلے سال گوشت جمع کرنے سے منع فرمایا تھا"۔ مگر اس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ وہ تو میں نے صرف اس گروہ کی وجہ سے کہا تھا۔ جو اس سال مدینہ میں دیہاتوں سے آیا ہوا تھا۔ (موطا: صـ۱۸۷، ۱۸۸)

ان تمام آثار و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ اور صحابہ کے زمانہ میں قربانیوں کے گوشت کو محفوظ کر لینا پسند کیا جاتا تھا۔ اور کافی مدت[۱] تک اُسے راشن کے ایک جزو کی طرح استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی طرح چربی بھی اکھٹی کر لی جاتی تھی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ آج بھی ان تمام طریقوں پر عمل کر کے قربانی سے بیش از بیش فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

گوشت اور راشن قربانی کرنے والے حضرات کچھ گوشت خیرات کر دینے کے بعد بھی ایک خاصی مقدار گھر میں مختلف طریقوں[۲] سے محفوظ کر کے جمع کر سکتے ہیں۔ اور پھر یہ گوشت کئی دنوں تک ان کے روزمرہ راشن کا ایک جزو بنایا جا سکتا ہے۔ اس سے ایک طرف اجزائے خوراک میں کچھ اضافہ ہو جائے گا۔ اور دوسری طرف

---

[۱] حضرت علی رضؓ کو حضور نے قربانی کے متعلق فرمایا:۔ کل من ذی الحجة الی ذی الحجة (تفسیر قرطبی جلد ۱۲ صـ۴۸) "تم قربانی کا گوشت ایک ذی الحج سے دوسرے ذی الحجہ تک یعنی سال بھر کھا سکتے ہو۔ [۲] صحابہ کے زمانہ میں نمک وغیرہ کے استعمال سے گوشت محفوظ کیا جاتا تھا۔ لیکن آج کل کئی بہتر طریقے معلوم ہو چکے ہیں۔

بازار کے ذبیحے میں کچھ کمی کا امکان بھی ہو گا۔ اس طرح جمع کی ہوئی چربی کافی عرصے تک گھی اور مکھن کی جگہ غذا کے روغنی اجزاء مہیا کر سکتی ہے۔

گوشت کے ڈپو:۔ پھر اگر مسلمانوں کی کوئی حکومت اس معاملے کو اجتماعی پیمانے پر اپنائے تو وہ اور بھی زیادہ مفید ثابت ہو۔ مثلاً قربانی کے دنوں حکومت کی طرف سے ایسے ڈپو کھول دیئے جائیں۔ جہاں لوگ رضاکارانہ طور پر آ کر قربانیوں کا گوشت جمع کرائیں۔ تو یہ بھی ممکن ہے کیونکہ کئی لوگ یہ جذبہ رکھتے ہیں کہ ضرورت سے زائد گوشت کسی مفید مصرف میں لگ جائے تو کیا ہی بہتر ہو۔ پھر گورنمنٹ اس جمع شدہ گوشت کو محفوظ کر کے حسب موقع اسے ملٹری میں سپلائی کر سکتی ہے۔

قربانی کی کھالیں:۔ قربانی کے دنوں میں کھالیں اس کثرت سے ہوتی ہیں کہ اسلامی ملکوں میں اشیاءِ چرم کی صنعت کو بہت ترقی دی جا سکتی ہے ایک خاص بات یہ ہے کہ قربانی کے نظام کی وجہ سے عید قربان کے ایام میں خام کھالوں کی قیمت بہت ہی گر جاتی ہے۔ جو لوگ قربانی ذبح کرتے ہیں وہ یا تو کھال اسی طرح اٹھا کر خیرات کر دیتے ہیں۔ اور یا کسی قصاب کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی رقم صدقہ کر دیتے ہیں۔ اور ان دونوں شکلوں میں کھال کافی سستی بکتی ہے کیونکہ فروخت کرنے والے کھالوں کے بیوپاری نہیں ہوتے۔ اس لیے وہ اس معاملے میں چنداں دلچسپی نہیں لیتے۔ اگر اس موقعہ پر قربانی کرنے والوں سے کھالیں خریدنے کا انتظام حکومت کی طرف سے کیا جائے تو حکومت کو اس میں خاصہ منافع ہو سکتا ہے نیز اپیل کرنے پر بہت سے لوگ خیراتی مصارف کے لیے کھالیں حکومت کے سپرد کر دینا بھی پسند کریں گے۔

جانوروں کا خون: جو مویشی قربانی میں ذبح ہوتے ہیں، ان کا خون اگر جمع کر لیا جائے تو وہ بھی مفید مصرف پہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جس پودے کو بکرے کے خون سے سینچا جائے اس کی بالیدگی اور نشو ونما نہایت تیزی اور عمدگی سے ہوتی ہے اور تقریباً قربانی میں ذبح ہونے والے تمام مویشیوں کے خون میں ایسے ہی اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس خون کو کسی مناسب کیمیاوی اصلاح کے بعد ایک اعلیٰ قسم کے کھاد میں تبدیل کیا جا سکتا ہے لہٰذا اگر گورنمنٹ کی طرف سے اس گرنے والے خون کو اکٹھا کرنے کے انتظامات کئے جائیں۔ تو یہ بھی ایک مفید چیز ثابت ہوگی۔[1]

---

[1] محترم ڈاکٹر دوست محمد صاحب صابر ملتانی، قربانی کے فوائد میں ایک یہ بات بھی سامنے لاتے ہیں۔ کہ خون کا جو حصہ طاقت اور حیات کا حامل ہوتا ہے، وہ نہایت لطیف بخاری کیفیت میں مائع خون کے اندر سرایت کئے ہوتا ہے۔ لیکن جب خون قیدِ جسم سے آزاد ہو جاتا ہے تو وہ لطیف عنصر ہوا میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس طرح قربانی کے موقع پر خون کی ایک کثیر مقدار میں سے انرجی اور حیاتیت ہوا کے اجزا میں مل کر ہوا کی طاقت اور صلاحیت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ اور ہوا کی یہ طاقت پھر نباتی اور حیوانی زندگی کی خدمت میں استعمال ہوتی ہے۔

نوٹ (۶)

مویشیوں کی تعداد:

گو قربانی کے سلسلے میں یہ بات ضرور سامنے لائی جاتی ہے کہ ہمارے ہاں مویشیوں کی قلت ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ یہ قلت خطرناک حد تک نہیں ہے۔ ۱۹۵۵ء میں سابق پنجاب کے ضلعوں میں جو جانور شماری ہوتی تھی۔ اس کے اعداد و شمار یہ ہیں:۔

ضلع	بکریوں کی موجود تعداد	بھیڑوں کی موجود تعداد
راولپنڈی	۱۳۵۴۸۵ء	۶۴۰۶۴
اٹک	۱۲۶۳۹۳	۱۴۴۲۷۳
بہاول پور	۸۲۵۱۴	۹۲۹۴۰
بہاول نگر	۶۰۱۹۰	۳۰۴۱۵۱
چولستان	۹۹۸۱۳	۳۴۸۸۲۹
لائل پور	۱۶۳۲۱۴	۲۲۰۴۰۱
منٹگمری	۱۸۳۳۸۱	۴۳۰۵۳۷
سیالکوٹ	۶۱۰۲۹	۸۳۹۳۲
شیخوپورہ	۶۰۱۹۱	۱۵۸۹۹۲
گوجرانوالہ	۳۵۵۱۲	۹۳۶۰۲
ڈیرہ غازی خاں	۲۵۳۹۲۰	۳۶۶۳۴۵

ے یہ اعداد و شمار، محکمہ حیوانات مغربی پاکستان کے دفتر سے حاصل کیے گئے ہیں۔

ضلع	بکریوں کی موجود تعداد	بھیڑوں کی موجود تعداد
جھنگ	۷۳۹۳۳	۲۳۸۸۹۲
گجرات	۵۵۳۰۱	۶۴۶۹۴
جہلم	۱۱۳۹۹۷	۱۲۵۰۵۵
ملتان	۲۵۶۳۱۹	۴۴۲۲۷۶
رحیم یار خان	۱۶۷۵۶۲	۲۱۸۲۸۴
میانوالی	۱۷۷۰۸۰	۲۵۷۴۷۸
لاہور :- صرف کارپوریشن	۴۶۲۷	۴۵۷۵

جانوروں کی یہ تعداد صرف ملک کے ایک صوبے کے اضلاع سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سے پورے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے مویشیوں کی تعداد کے متعلق اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز ہمارے ملک کے معاشیین کی رائے بھی یہی ہے کہ ہمارے ہاں جانوروں کی تعداد کم نہیں۔ البتہ اچھی نسل کے مویشی کم ہیں۔

" اگرچہ ہمارے پاس مویشیوں کی کافی تعداد ہے۔ مگر ان میں اکثر اچھی قسم کے نہیں۔ اس وقت ہماری ضرورت یہ ہے کہ ہم ایسے مویشی مہیا کریں جو تعداد میں بھی زیادہ ہوں اور ان کی قوت کار بھی بہتر ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کی پرورش اور خوراک کے معیار کو بہتر بنائیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی بیماریوں کی روک تھام کے لئے بھی مناسب تدابیر اختیار کریں"۔

("معاشیات" از خواجہ محمد اسلم، مطابق جدید نصاب بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن)

اور جہاں تک قربانی کا تعلق ہے تو اس کا چنداں اثر اعلیٰ نسل کے مویشیوں پر نہیں پڑتا۔ نیز جن جانوروں کی ضرورت کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے وہ زیادہ تر بیل، گائے اور بھینس وغیرہ ہیں۔ اور قربانی عموماً بھیڑ بکری کی ہوتی ہے۔ جن کی افزائش نسل کی رفتار بھی نسبتہً تیز ہے۔

نوٹ (۷)

قربانی اور جانوروں کی قلت کا مسئلہ:

مویشی بہیں زیادہ تر دودھ کے نکتہ نظر سے ضروری ہیں۔ مگر قربانی سے ان پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ دودھ دینے میں سب سے زیادہ مفید بھینس ہے اور اس کی قربانی شاذو نادر ہی ہوتی ہے۔ جہاں تک گائے کا تعلق ہے تو اس میں بھی عام طور پر دودھ[1] دیتی ہوئی گائے کو قربانی نہیں کیا جاتا ہے۔ عموماً وہی جانور بیچے جاتے ہیں جو دودھ سے رک جاتے ہیں اور تقریباً وہی ذبح ہوتے ہیں۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ قربانی[2] زیادہ تر بھیڑ بکری کی ہوتی ہے۔ اور وہ دودھ کے نکتہ نظر سے تقریباً صفر ہیں۔ نیز بکری کو تو جنگلات اور فصلوں کی ترقی کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہماری گورنمنٹ نے اسی خیال کے پیش نظر ملک میں

---

[1] ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کی۔ میرے پاس صرف گھر کا دودھ دینے والا جانور ہی موجود ہے تو کیا میں اس کی قربانی کردوں۔ حضور نے منع فرمایا (حدیث معہ حوالہ پیچھے گزر چکی ہے)

[2] حدیث میں بھی ہے حضورؐ نے مینڈھے ذبح فرمائے۔ عن انس قال ضحی رسول اللہ بکبشین املحین (حدیث معہ حوالہ پیچھے گزری ہے)

بکری کی پرورش پر پابندی لگادی ہے۔ یعنی لائسنس کے بغیر کوئی شخص بکری نہیں رکھ سکتا۔
علاوہ ازیں ذبیحے یا قربانی کے مقصد کے لئے مارکیٹ میں زیادہ تر وہی جانور لائے جاتے ہیں جو دودھ کے لحاظ سے صفر ہو چکے ہوں۔ دودھ دینے والے اور اعلیٰ قسم کے مویشی نہ کوئی بیچتا ہے اور نہ ہی "ذبیحے کی منڈی" ان کو خرید سکتی ہے۔ ایسے مویشی بہت مہنگے ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ذبیحے یا قربانی کی خاطر ان کو خریدنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔
بیل گائے کے متعلق چونکہ سات آدمیوں کی شرکت کا مسئلہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ سات رفقاء کا جمع ہو کر ایک سودا خریدنا اور اس کا اہتمام کرنا نسبتہً دشوار سا نظر آتا ہے۔ اس لئے لوگ اس میں سہولت سمجھتے ہیں کہ ایک بکرا یا مینڈھا بازار سے گزرتے گزرتے خرید لیا اور قربانی کرلی۔ فقہا بھی عموماً بکرے یا مینڈھے کی قربانی کو فضیلت کے لحاظ سے زیادہ بہتر قرار دیتے ہیں چنانچہ حنفی فقہاء کے نزدیک بکرے کی قربانی گائے کے ساتویں حصے کی قربانی سے افضل ہے (بشرطیکہ قیمتاً مساوی ہوں) شافعی فقہاء بھی بکروں کی قربانی بڑے جانوروں کی نسبت افضل قرار دیتے ہیں۔ (الفقہ علی مذاہب اربعہ صہ ۵۹۹ - ۶۰۰) اُدھر آج کے دانشوروں نے ہمیں یہ مشورہ دے رکھا ہے کہ تم بکریوں کو جلدی ختم کرو۔ ورنہ تمہاری فصلوں اور پودوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس ضمن میں قربانی اور ذبیحے کا نظام ہمیں ہماری مشکلات سے نجات بھی دیتا ہے۔ اور ہمارے بعض مسائل کا حل بھی پیش کرتا ہے۔
ان امور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی سے جانوروں کے اس حصے پر کوئی زد نہیں پڑتی جو معیشت اور ضرورت کے نکتہ نظر سے اہم حصہ ہوتا ہے۔ بلکہ قربانی

ہیں زیادہ تر وہی جانور ذبح ہوتے ہیں۔ جو نہ صرف دُودھ وغیرہ کی رُو سے
ہوتے ہیں بلکہ سوچا جائے تو وُہ محض ایک بوجھ ہوتے ہیں اور ایک ایسی مشینری
ناشد ہوتے ہیں جو ایندھن مانگتی ہے۔ لیکن اس سے کسی بڑے حاصل DUCTION
کی توقع نہیں ہوتی۔

اس رو سے قربانی اور ذبیحہ مویشیوں کی تعداد میں ایک توازن Balance
پیدا کرتا ہے۔ جو معاشی لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِکَ صَلٰوۃً کَامِلَۃً وَّسَلِّمْ
عَلَیْہِ سَلَامًا کَرِیْمًا ○ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ
الْمُتَعَلِّقِیْنَ بِاَذْیَالِہٖ فَالْفَائِزِیْنَ فِی الدَّارَیْنِ
فَوْزًا عَظِیْمًا ○

تحقیقِ قربانی

* مسئلہ قربانی کے ہر پہلو پر تحقیقی و تنقیدی مطالعہ
* اہل فہم و فکر کے لئے نیا سرمایۂ علمی
* قربانی کے موضوع پر پہلی جامع اور معیاری کتاب

قاضی عبدالنبی کوکب

ناشر: مکتبہ ابناء الاسلام ۱۹ چیمبرلین روڈ ۔ لاہور

قیمت مجلد ۵/۱/-